(ش)

(۹۴)

ہوئی ہے بسکہ صرفِ مشق تمکین بہار آتش
بہ انداز حنا ہے رونقِ دستِ چنار آتش

آگ بہار کی شان و شوکت بڑھانے میں مصروف ہے۔ چنار کے پتے نومبر میں بالکل سرخ ہو جاتے ہیں۔ جیسے ان میں آگ لگی ہو۔ تو آگ دستِ چنار میں حنا کا کام کر رہی ہے یعنی اس کی تمکین بڑھا رہی ہے۔ تمکین: شان شوکت۔ چنار میں سے آگ نکلنے کی کچھ روایات بھی ہیں۔

شرر ہے رنگ بعد اظہار تاب جلوۂ تمکین
کرے ہے سنگ پر خورشید آب روئے کار آتش

تمکیں: ثابت قدمی۔ روئے کار: کپڑے کا سیدھا رخ مثلاً پھول دار ریشم کا وہ رخ جو پہننے کے بعد باہر کی طرف رہتا ہے۔ شرر اگر کچھ دیر تک استقلال کا جلوہ دکھا سکے تو وہ رنگ و رونق کا باعث ہے۔ سورج پتھر پر دھوپ کی آگ ڈالتا ہے تو وہ پتھر کے بیرونی رخ پر آب و رنگ عطا کرتا ہے۔ آب اور آتش میں تضاد ہے۔ یہاں آب چمک کے معنی میں ہے۔ پتھر پر دھوپ پڑتی ہے تو اس میں چمک اور رنگ آجاتا ہے۔ آتش سے مراد دھوپ ہے۔ پہلے مصرع میں بعد پر اضافت نہ ہونا عجزِ شاعرانہ ہے۔ بعدِ اظہار کا محل تھا۔

گداز موم ہے افسونِ ربطِ پیکر آرائی
نکالے کب نہالِ شمع بے تخمِ شرار آتش

افسونِ ربط: کسی چیز پر افسوں کرنا اور اس کے اثر سے کسی شخص پر افسوں کی تاثیر ظاہر ہونا۔ انگریزی میں اسے (SYMPATHETIC MAGIC) کہتے ہیں۔ اپنا موم پگھلانا پیکر آرائی کا منتر یا گر ہے۔ بغیر جلی ہوئی شمع کو بھی نہال سے تشبیہہ دے سکتے ہیں لیکن وہ نہالِ بے رونق ہے نا آراستہ پیکر ہے۔ جب اس میں تخمِ شرر لگایا جاتا ہے تو آتش کا پھل ظاہر ہوتا ہے۔ روشن شمع پیکر آرائی ہے، گو اس آراستگی کی قیمت اپنا موم پگھلا کر دینی پڑتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ زندگی کو رنگین و بارونق بنانے کے لئے بڑی جفائیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

خیالِ دود تھا سر جوشِ سودائے غلط فہمی
اگر رکھتی نہ خاکستر نشینی کا غبار آتش

سر جوش: کسی رقیق شے کو جوش دیا جائے تو جو کچھ ابل کر سطح پر یا دیگ کے باہر آجائے گا وہ سر جوش ہے یعنی صاف بہترین جزو۔ غلط فہمی کسے ہے؟ ہمیں یا آتش کو؟ دونوں طرح معنی نکل سکتے ہیں۔ (۱) دود دماغ نخوت و غرور کو کہتے ہیں اور خاکستر نشینی خاکساری کا نشان ہے۔ اگر آگ کے پاس خاک نشینی کی گرد نہ ہوتی تو اس میں سے دھواں نکلتا دیکھ کر ہمیں غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ یہ مغرور ہے۔ (۲) ہم آہیں کرتے ہیں اور وہ دود سے مشابہ ہیں۔ غبار رکھنا دل میں کدورت رکھنا۔ آگ کو ہماری طرف سے غلط فہمی تھی۔ اول تو اسے ہماری خاکستر نشینی کا غبار تھا دوسرے ہمارے پاس آہوں کا دھواں تھا۔ وہ خاکستر و دود دونوں کی وجہ سے ہمیں اپنا حریف سمجھتی تھی۔ خاکستر راکھ ہے آگ بھی خاکستر نشین ہوتی ہے اور فقیر بھی

ہوائے پر فشانی برقِ خرمن ہائے خاطر ہے
بہ بالِ شعلۂ بے تاب ہے پروانہ زار آتش

ہوا: خواہش۔ پروانہ زار: جہاں بہت سے پروانے جمع ہوں یعنی اپنے پروں کو جلا جلا کر اپنی ہستی کو پھونک رہے ہوں۔ پروانہ کی خواہش دلوں پر برقِ خرمن کا کام کرتی ہے آگ کو دیکھو اس نے شعلے کے پروں سے اڑنا چاہا اور پروانے کی طرح جل پھنک کر رہ گئی اور آخر کار ختم ہو گئی۔ شعلے کو پروانہ قرار دیا ہے۔ کسی چیز کو جلایا جائے تو شعلے بھڑکنے کے بعد آگ خاموش ہی ہو جاتی ہے۔ جب تک شعلہ نہیں نکلتا آہستہ آہستہ آگ سلگتی رہتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اونچی اونچی خواہشات کا انجام تباہی ہوتا ہے۔

نہیں برق و شرر جز وحشت و ضبطِ تپیدن ہا
بلا گردانِ بے پروا خرامی ہائے یار آتش

بلا گرداں: تصدق ہونے والی یعنی عاشق۔ آگ یار کے بے پروا چلنے کے انداز کی عاشق ہے برق و شرر آگ کی وحشت و ضبطِ تپیدن کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی آگ اس طرح تڑپ رہی ہے کہ کبھی جوشِ وحشت میں ظاہر ہوتی ہے کبھی بجھ جاتی ہے۔ یہی عمل برق اور شرر کرتے ہیں۔ یہ گویا آگ کی تڑپ کا مظاہرہ ہیں۔ آگ کی تڑپ یار کی چال کے عشق کی وجہ سے ہے۔

دھوئیں سے آگ کے اک ابرِ دریا بار ہو پیدا
اسد حیدر پرستوں سے اگر ہووے دوچار آتش

اسد اگر حضرت علیؓ کی پرستش کرنے والوں سے آگ مقابلہ کرے تو حبِ علی یہ اثر دکھائے کہ

آگ ہیں سے دھواں نکل کر بادل بن جائے اور اتنی بارش کرے کہ دریا بہہ جائے اور آگ بجھ جائے

(۹۴)

باقلیمِ سخن ہے جلوۂ گردِ سوادِ آتش
کہ ہے دودِ چراغاں سے ہیولائے مدادِ آتش

شاعر رات کو دیر تک چراغ جلا کر فکرِ سخن کرتا ہے۔ غالب نے ایک اور جگہ کہا ہے ع
تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔ گردِ سواد: کسی شہر کے نواح کی گرد۔ شاعری کے ملک میں آگ (چراغ کی لَو) منزلِ مقصود کے نواح کی نشان وہ ہے۔ شاعر رات کو جو چراغ جلا کر بیٹھتا ہے اس کا دھواں اس کی دوات کی روشنائی بن جاتا ہے۔ یعنی رات کو دیر تک چراغ جلا کر سوچتے رہیئے مضمون تک رسائی ہو جائے گی۔ اس طرح آگ اور سخن کا تعلق ثابت ہو گیا۔

اگر مضمونِ خاکستر کرے دیباچہ آرائی
نہ باندھے شعلۂ جوالہ غیر از گردبادِ آتش

دوسرے مصرع کی نثر ہو گی آتش غیر از گردباد (اور کوئی) شعلۂ جوالہ نہ باندھے۔ باندھنے سے مراد شعر میں مضمون باندھنا ہے۔ شعلۂ جوالہ: کسی لکڑی کے سرے پر کپڑا باندھ کر جلایا جائے اور لکڑی کو گھمایا جائے تو شعلے کا دائرہ شعلۂ جوالہ ہے اس شعر میں آتش کو ایک شاعر سمجھ لیا گیا ہے جو دیوان مرتب کر رہا ہے۔ اگر اس کے دیباچہ میں خاکستر کے مضامین لکھے جائیں تو متن میں شعلۂ جوالہ کا ذکر کہیں نہ ہو گا گردباد ہی کا ذکر ہو گا۔ شعلۂ جوالہ میں آگ گھومتی ہے گردباد میں خاک (یا خاکستر)۔ چونکہ غالب کے دیوان میں شعلۂ جوالہ کا ذکر بہت سے اشعار میں آیا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ شعر کا ایک لازمی مضمون ہے۔ دیباچے کی مناسبت سے متنِ کلام میں شعلۂ جوالہ کا نعم البدل گردباد ہی ہو گا۔

کرے ہے لطفِ اندازِ برہنہ گوئی خوباں
بہ تقریبِ نگارش ہائے سطرِ شعلہ یادِ آتش

برہنہ گوئی: کھری کھری کہنا۔ حسین لوگ بڑی تیز جلا دینے والی باتیں کرتے ہیں۔ آگ نے جب شعلے کی سطریں لکھنی چاہیں تو اسے حسینوں کی کھری کھری باتوں کی گرمی یاد آگئی کیونکہ ان میں آگ سے کم گرمی نہ تھی۔ شعلے کی سطریں لکھنا: شعلہ روشن کرنا۔

دیا داغِ جگر کو آہ نے سامان شگفتن کا
نہ ہو بالیدہ غیر از جنبشِ دامانِ بادِ آتش

آہ سے داغِ جگر شگفتہ ہو گیا۔ داغ آگ ہے اور آہ ہوا۔ آگ ہوا کی جنبشِ دامن سے

~~اسد قدرت سے حیدر کی ہوئی ہر گبر و ترسا کو شرارِ سنگِ بت ہی بر بنائے اعتقاد آتش~~

گبر و ترسا: آتش پرست۔ اس شعر میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ یہ بت پرست بھی ہیں اور آتش پرست بھی۔ اسد حضرت علی کی قدرت سے گبر و ترسا کے بتوں سے شرارِ سنگ نکلا اور وہی شرار گبر و ترسا کو جلانے کیلئے آگ ہو گیا۔

(ع)

(۹۵)

شمع سے ہے بزم انگشتِ تحیر در دہن
شعلۂ آوازِ خوباں پر، بہ ہنگامِ سماع

محفل میں جب خوبرو گاتے ہیں تو ان کی آواز کی گرمی پر بزم انگشتِ تحیر در دہن ہو جاتی ہے۔ انگشتِ تحیر در دہن محاورہ ہے جس کے لفظی معنی ہیں حیرت کی انگلی منہ میں رکھنا اور یہ عمل واقعی حیرت کی نشانی ہے۔ شمع کی مماثلت انگلی سے ہے گویا یہ بزم کی انگشتِ حیرت ہے۔ سماع معرفت کی موسیقی سننے کو کہتے ہیں۔

جوں پرِ طاؤس جوہر تختۂ مشقِ رنگ ہے
بلکہ ہے وہ قبلۂ آئینہ، محوِ اختراع

پرِ طاؤس غالب کے شعر میں رنگینوں کا نمائندہ ہے۔ تختۂ مشق: مصور کا وہ تختہ کاغذ جس پر نقش گری کی جائے۔ قبلۂ آئینہ: محبوب چونکہ وہی آئینے کا مقصود ہے جس طرح مصور ایک کاغذ کو سامنے رکھ کر طرح طرح کے رنگوں سے کوئی نقش اختراع کرتا ہے جو پرِ طاؤس کی طرح رنگین ہوتا ہے اسی طرح محبوب آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنی صورت میں طرح طرح کی رنگینیوں کی اختراع کر رہا ہے جس کی وجہ سے آئینہ کا جوہر یعنی خود آئینہ تختۂ رنگ اور پرِ طاؤس معلوم ہو رہا ہے۔

رنجشِ حیرت سرشتاں سینہ صافی پیشکش
جوہرِ آئینہ ہے یاں گردِ میدانِ نزاع

رنجش: آزردگی۔ حیرت سرشتاں: صوفی حضرات جو معرفت کے راستے میں حیرت سے

دو چار ہیں۔ سینہ صافی : دلوں میں نفاق کا نہ ہونا۔ جوہرِ آئینہ : فولادی آئینہ کا وہ جوہر جو ذرات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ شعر کی توسیع شدہ نثر یہ ہوگی۔ حیرت سرشتوں کی رنجش سینہ صافی کی پیش کش رکھتی ہے۔ ان کے میدانِ نزاع کی گرد جوہرِ آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے۔ مُراد یہ ہے کہ عرفا ایک دوسرے سے آزردہ بھی ہو جائیں تو بھی اُن کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف رہتے ہیں۔ حریفوں کے میدانِ جنگ میں گرد اُٹھتی ہے۔ صوفیا کے میدانِ نزع کی گرد جوہرِ آئینہ کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی وہ سینہ صافی رہتی ہے آئینہ حیران بھی ہوتا ہے اور صاف دل بھی۔

چار سوئے دہر میں بازارِ غفلت گرم ہے
عقل کے نقصاں سے اُٹھتا ہے خیالِ انتفاع

انتفاع : نفع۔ دُنیا میں ہر طرف غفلت کا دور دورہ ہے لوگ عقل سے کام نہیں لے رہے۔ عقل کے نقصان یعنی بے عقلی کی باتوں میں وہ نفع سمجھتے ہیں۔ نفع کا خیال کس زمین سے پیدا ہوتا ہے؟ عدمِ عقل یعنی غفلت سے اور یہ کوتاہ اندیشی ہے۔

آشنا غالب نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا
ورنہ کس کو میرے افسانے کی تابِ استماع

غالب دوست میرے دردِ دل سے واقف نہیں ورنہ میرا افسانہ یوں آسانی سے نہ سُن لیتے۔ اُنہیں اس کا درد نظر نہ آیا۔ اس افسانے کے سننے کی تاب کیسے ہو سکتی ہے۔

(غ)

(۹)

عشاق اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ
دیتا ہے اور، جوں گل و شبنم بہار داغ

عاشق آنسو بہا بہا کر داغِ عشق کو ہزار دھونا چاہیں لیکن اس سے داغ پھول اور شبنم کی طرح اور بہار دیتا ہے یعنی اور چمک اُٹھتا ہے گل و شبنم : جیسے پھول پر اوس ڈالی جائے۔ چاہا تھا کہ رونے سے دل کا رنج ہلکا ہو جائے گا لیکن وہ اور تیز ہو گیا۔

جوں چشم باز ماندہ ہے ہر یک بہ سوئے دل
رکھتا ہے داغِ تازہ کا یاں انتظار داغ

جیسے کھلی آنکھ کسی چیز کی طرف دیکھے اسی طرح میرا ہر داغ دل کی طرف دیکھتا ہے کھلی آنکھ نشانی ہے کسی کے انتظار کی۔ یہ داغ بھی نئے داغ کا منتظر ہے اس لئے کھلی آنکھ سے مشابہ ہے۔ نیا داغ دل کی طرف سے آئے گا یا دل پر پڑے گا اس لئے پُرانا داغ دل کو تاک رہا ہے

بے لالہ عارضاں مجھے گلگشتِ باغ میں
دیتی ہے، گرمیِ گل و بلبل، ہزار داغ

لالہ عارضاں : حسین۔ گرمی : عشق بازی۔ حسینوں کے بغیر اگر میں باغ میں ٹہلنے جاتا ہوں تو گل و بلبل کے معاشقے سے مجھے بہت رنجِ محرومی ہوتا ہے۔

جوں اعتمادِ نامہ و خط کا ہو مہر سے
یوں عاشقوں میں ہے بسببِ اعتبار داغ

جیسے چٹھی پر مہر لگی ہو تو اس کی صحت میں یقین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عاشقوں کے داغ لگا ہو تو اُنہیں بڑا عاشق مانا جاتا ہے۔ شدتِ جذبہ میں کوئی چیز آگ میں گرم کرکے اپنے جسم پر لگا دی جائے تو اس سے جو داغ پیدا ہو گا۔ وہ داغِ عشق ہو گا۔

ہوتے ہیں محوِ جلوۂ خور سے ستارگاں
دیکھ اس کو دل سے مٹ گئے بے اختیار داغ

کسی کی طرف سے دل میں داغ ہونا محاورہ ہے شکوہ شکایت ہونے کے معنی میں یہاں اسے لفظی معنی میں لے لیا گیا ہے جس طرح سورج کے نکلنے پر ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محبوب کو دیکھ کر دل کے سب داغ جاتے رہے یعنی کوئی شکایت باقی نہ رہی۔ داغوں کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔

وقتِ خیالِ جلوۂ حُسنِ بتاں اسدؔ
دکھلائے ہے مجھے دو جہاں لالہ زارِ داغ

جب میں حسینوں کا خیال کرتا ہوں تو میرا داغِ دل دُنیا بھر کے باغوں کی کیفیت دکھا دیتا ہے۔ لالہ کے پھول میں داغ ہوتا ہے اس لئے داغ سے لالہ زار کی تخلیق کی۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کے حُسن کے تصور کے وقت ہر قسم کے باغ مجھے محض داغ نظر آتے ہیں کیونکہ حسنِ بتاں زیادہ دلکش ہے۔ لیکن ترجیح پہلے معانی کو ہے۔

(۹۷)

بلبلوں کو دور سے کرتا ہے منعِ بارِ باغ
ہے زبانِ پاسباں، خارِ سرِ دیوارِ باغ

بار : باریابی۔ باغ یا کسی احاطے کی فصیل نیچی ہوتی ہے تو اس کے اوپر کانٹے رکھ دیئے جاتے ہیں تاکہ دیوار پر چڑھ کر بکریاں وغیرہ اندر نہ جا سکیں۔ باغ کا چوکیدار ہانک لگا کر دور ہی سے بلبلوں کو اڑا دیتا ہے تاکہ وہ باغ میں داخل نہ ہو سکیں۔ گویا وہ زبان سے دیوار کے کانٹوں کا کام لے رہا ہے۔

کون آیا جو چمن بے تابِ استقبال ہے
جنبشِ موجِ صبا ہے شوخیِ رفتارِ باغ

باغ میں ہوا کا چلنا دراصل باغ کا شوخی کے ساتھ رواں ہو جانا ہے۔ باغ میں کون حسین آیا ہے جس کے استقبال کیلئے خود باغ بے تاب ہو گیا۔

میں ہمہ حیرت، جنوں بے تابِ دورانِ خمار
مردمِ چشمِ تماشا، نقطۂ پرکارِ داغ

جنوں بے تابِ دورانِ خمار' کا تجزیہ جنوں (بے تابِ دورانِ خمار) ہو کے ہیں (جنوں بے تاب) دورانِ خمار کروں گا۔ جنوں بے تاب : وہ شخص جو جنوں کی وجہ سے بے تاب ہو۔ دورانِ خمار خمار کا پیدا کیا ہوا دورانِ سر۔ جنوں بے تابِ دورانِ خمار : خمار کی پریشانی سے جنون و اضطراب پیدا ہونا۔ دائرے کے مرکز میں پرکار کا ایک بازو رہتا ہے اور دوسرا بازو گھوم کر پورا دائرہ بنا دیتا ہے۔ جس طرح مرکزی نقطہ دائرے کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح میری دیکھنے والی آنکھ کی پتلی باغ کے دائرے کا مرکزی نقطہ ہے یعنی میں باغ میں گیا اور سارے باغ کو نگاہوں کے دائرے میں لے لیا۔ اس عمل کے دوران میں ہمہ حیرت ہو گیا اور باغ کے مشاہدے سے مجھ پر ایک جنون و اضطراب کا عالم ہوا۔ عاشقِ ہجراں زدہ پر باغ و بہار کا ردِ عمل اسی قسم کا ہوتا ہے۔ حسین مناظر محبوب کی یاد دلاتے ہیں اور اس کی عدم موجودگی کا احساس تیز تر کر دیتے ہیں۔

آتشِ رنگِ رُخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ
ہے دمِ سردِ صبا سے گرمیِ بازارِ باغ

ٹھنڈی ہوا سے باغ میں رونق ہے اس سے ہر پھول کے رنگ کی آگ تیز ہوتی ہے۔ آگ ہوا سے بھڑکتی ہے دمِ سرد اور گرمیِ بازار میں تضاد ہے۔

کون گل سے ضعف و خاموشیِ بلبل کہہ سکے　　نے زبانِ غنچہ گویا نے زبانِ خارِ باغ

بلبل کمزور ہے خاموش ہے۔ اس کی اس حالت کو پھول سے کون کہے۔ پھول کے ہم نشیں غنچے ہیں اور کانٹے ہیں۔ دونوں کی زبانیں بند ہیں بول نہیں سکتے۔ غنچہ چونکہ بند ہوتا ہے اس لیے اس کا دہن بند باندھا جاتا ہے۔ شعر میں ایک اور مناسبت ہے غنچہ اور خاموشی میں اور خار اور ضعف میں۔

جوشِ گل کرتا ہے استقبالِ تحریرِ اسد
زیرِ مشقِ شعر ہے نقش از پئے احضارِ باغ

زیرِ مشق : وہ چمڑا یا وصلی جسے لکھنے کی مشق کرتے وقت کاغذ کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ احضار : حاضر کرنا، طلبی کا حکم نامہ۔ پھول اسد کے اشعار کی تحریر کا استقبال کرتے ہیں۔ اس کے اشعار کے صفحہ کا زیرِ مشق ایسا نقشِ افسوں ہے جس کے اثر سے باغ فوراً آ حاضر ہوتا ہے۔ باغ کا آنا گویا استقبال کیلئے آنا ہے۔ یعنی اسد کے شعر پھولوں کے کھلنے سے زیادہ دلکش ہیں۔

(ف)

(۹۸)

نامہ بھی لکھتے ہو تو بہ خطِ غبار، حیف
رکھتے ہو مجھ سے اتنی کدورت ہزار حیف

خطِ غبار : ایک آرائشی خط ہے جس میں حروف کو جلی لکھ کر ان کے چوکھٹے میں نقطے نقطے بھر دیتے ہیں۔ دل میں غبار ہونے کے معنی کدورت یا آزردگی رکھنے کے ہیں۔ لفظِ غبار ہی پر شعر کا مضمون منحصر ہے۔ مجھے خط لکھتے ہو تو خطِ غبار میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں میری طرف سے غبار بھرا ہوا ہے۔

گل چہرہ ہے کسی خفقانی مزاج کا
گھبرا رہی ہے بیمِ خزاں سے بہار، حیف

خفقاں : سودا۔ پھول کسی سودائی کا چہرہ معلوم ہوتا ہے۔ سودا و جنوں میں چہرے پر سُرخی آ جاتی ہے۔ اس لئے پھول خفقانی مزاج ہوا۔ بہار خزاں کے ڈر سے گھبرا رہی ہے اور اس کی اس گھبراہٹ کا اظہار پھول کے سودائی چہرے سے ہو رہا ہے۔

تھی میرے ہی جلانے کو، اے آہ شعلہ ریز
گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار، حیف

اے میری شعلہ برسانے والی آہ تو نے مجھ ہی کو جلایا۔ رقیب کے گھر کو نہ جلایا۔

ہیں میری مشتِ خاک سے اس کو کدورتیں
پائی جگہ بھی دل میں، تو ہو کر غبار حیف

میں مر کر خاک ہو گیا لیکن اسے ہمیشہ میری طرف سے کدورت رہی۔ اس نے مجھے کبھی دل میں جگہ نہ دی۔ مرنے پر جگہ بھی دی تو دل میں غبار کی صورت میں یعنی اسے میرا خیال آتا ہے تو شکوہ شکایت کے ساتھ۔

پیش از نفس بتاں کے کرم نے وفا نہ کی
تھا محملِ نگاہ بہ دوشِ شرار حیف

حسینوں نے مجھ پر کرم کیا تو محض ایک سانس کی مدت یعنی ایک لحظے کیلئے۔ انہوں نے مجھ پر نگاہ کی لیکن ان کی نگاہ کا محمل شرار کے کندھوں پر سوار تھا یعنی شرر جتنی تھوڑی دیر کیلئے چمکتا ہے اتنی سی دیر کیلئے انھوں نے میری سمت نگاہ کی۔ نگاہ اور شرار کی مناسبت سے یہ بھی اشارہ ہے کہ نگاہ میں جلا دینے والی کیفیت تھی۔

بنتا اسد میں سرمۂ چشمِ رکابِ یار
آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار حیف

محبوب کو شہسوار کہا ہے۔ میں مر کر خاک ہو گیا۔ اگر محبوب گھوڑے پر بیٹھ کر میری خاک پر آتا تو میں رکاب کی آنکھ میں سرمہ بن جاتا۔ رکاب کے حلقے کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ پاسِ ادب یہ ہے کہ خاک محض رکاب تک پہنچنے کی جو پاؤں رکھنے کا مقام ہے۔

(۹۹)

عیسیٰ مہرباں ہے شفا ریز یک طرف
درد آفریں ہے طبعِ الم خیز یک طرف

ایک طرف عیسیٰ مہربانی کر کے مجھے شفا دینے کی کوشش کر رہے ہیں دوسری طرف میری رنجیدہ طبیعت درد پیدا کر رہی ہے۔

سنجیدنی ہے ایک طرف رنجِ کوہکن
خوابِ گرانِ خسروِ پرویز یک طرف

دو چیزوں کا مقابلہ ہے انھیں باہم تولنا ہے ایک طرف پہاڑ کھودنے والے فرہاد کی تکلیف ہے۔ دوسری طرف محبوبہ کے شوہر خسرو پرویز کی شدید غفلت ہے جو اس نے وعدہ کرنے کے باوجود فرہاد کی طرف سے روا رکھی ہے۔

خرمن بہ باد دادۂ دعویٰ ہیں، جو ہو سو ہو۔
ہم یک طرف ہیں۔ برقِ شرر بیز یک طرف

بہ باد دادن: نیست و نابود کرنا۔ خرمن بہ باد دادۂ دعویٰ: جو دعوے کی خاطر خرمن تباہ کر چکا ہو۔ ہم نے دعویٰ کیا کہ ہم برق کو خاطر میں نہیں لائیں گے ہم اس دعوے کی پچ کی خاطر اپنے تمام خرمن کی بازی لگا چکے ہیں۔ اسے نیست و نابود کرنے کو تیار ہیں ایک طرف ہم ہیں دوسری طرف چنگاریاں برسانے والی بجلی۔ جو کچھ گزرے گزرے ہم جھکنے والے نہیں۔

ہر مو بدن پہ [illegible] پرواز ہے مجھے
بے تابیِ دلِ تپش انگیز یک طرف

بے چینی کی وجہ سے میرے بدن پر ہر بال مجھے اڑائے دے رہا ہے۔ جیسے یہ کوئی شہپر ہو۔ دوسری طرف دل کی بے تابی اور تپش ہے۔

مفتِ دل و جگر خلشِ غمزہ ہائے ناز
کاوش فروشیِ مژۂ تیز یک طرف

ناز کے غمزے میرے دل و جگر میں چبھن پیدا کر رہے ہیں اور محبوب کی پلکیں کاوش فروشی کر رہی ہیں۔ کاوش: کھود کرید۔ مفت: کسی چیز کا بغیر قیمت یا محنت کے حاصل ہونا۔

یک جانب، اے اسد شبِ فرقت کا بیم ہے
دامِ ہوس ہے زلفِ دلاویز یک طرف

اے اسد مجھے ایک طرف تو یہ خوف ہے کہ عشق کیا تو کبھی نہ کبھی فرقت میں مبتلا ہونا پڑے گا دوسری طرف کسی حسین کی دلکش زلف میری ہوس پر دام ڈال رہی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ زلف کا ہو کر رہ جاؤں۔

(ک)

(۱۰۰)

اس عمل میں عیش کی لذت نہیں ملتی اسد
زور نسبت مے سے رکھتا ہے نصاریٰ کا نمک

اس عمل سے مراد مے نوشی کا عمل ہے لیکن نصاریٰ کا نمک سے کیا مراد ہے یہ واضح نہیں۔ میں مالک رام صاحب اور قاضی عبدالودود صاحب سے ملا اور اس ترکیب کے معنی دریافت

سکے۔ انھیں بھی علم نہ تھا۔ عرشی صاحب نے اس شعر کے یہ معنی لکھ کر بھیجے ہیں۔

(۱) "نصارا کا نمک سے مراد وہ پنشن ہے جو غالب کو ملا کرتی تھی۔ وہ بہت مختصر تھی اس لیئے غالب کیلئے ناممکن تھا کہ اس سے مے نوشی کا خاطر خواہ سامان کر سکیں تو گویا نصارا کا نمک جو یہ کھاتے تھے وہ بجائے لذتِ عیش کو بڑھانے کے وہ کام کرتا تھا جو شراب میں نمک ڈالنے سے ہو جاتا ہے یعنی اس سے شراب کا سکر (نشہ) ختم ہو جاتا ہے اور وہ سرکے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔"

اچھی خاصی تشریح ہے لیکن اس میں تھوڑی سی قباحت یہ ہے کہ یہ شعر نسخۂ بھوپال کا ہے یعنی ۱۸۲۱ء سے پہلے کا اس وقت تک غالب کو براہ راست انگریزوں سے پنشن نہ ملتی تھی۔ ان کی آمدنی کے کئی ذرائع تھے اس لئے بہت شبہ ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کی نمک خواری کا شکوہ کریں۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔

(۲) نصارا کا نمک سے مراد عیسائی حسیناؤں کا نمکِ حسن ہے۔ غالب نے بعد میں کلکتے میں تو میموں کے حسن پر بڑی للچائی نظر ڈالی ہے جیسا کہ ان کی فارسی مثنوی سے معلوم ہوتا ہے یقینی ہے کہ دہلی میں بھی کچھ انگریز حسینائیں دیکھی ہوں گی۔ قباحت یہ ہے کہ ان کے حسنِ صبیح میں ملاحت کہاں۔ بہر حال۔ مے نوشی کے عمل میں مجھے لذت نہیں ملتی تاوقتیکہ کوئی نمکین نقل ساتھ نہ ہو نمکِ حسینانِ نصارا کا نقلِ شراب سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہ نمک مے نوشی کا ساتھ دینے کو میسّر آجائے تو عیش کی لذت مل جائے۔

(۱۰۱)

تا قیامت شبِ فرقت میں گزر جائے گی عمر
سات دن ہم پہ بھی بھاری ہیں سحر ہونے تک

ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں گویا عمر سات دنوں (اتوار، سوموار، منگل وغیرہ) پر مشتمل ہے۔ قیامت تک تو محبوب کا دیدار ہوگا نہیں اس لئے شبِ فرقت کا عالم رہے گا۔ قیامت میں جاکر شبِ فرقت ختم ہوگی اور ہمارے لئے صبح ہوگی۔ اُس صبح تک زندگی کے جو سات دن ہیں وہ ہم پر بھاری ہیں۔

(۱۰۲)

آتے ہیں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک
لایا ہے لعلِ بیش بہا کاروانِ اشک

آنسوؤں کے ساتھ ساتھ جگر کے ٹکڑے آرہے ہیں۔ یہ لعل کی طرح ہیں۔ اس طرح آنسو اس

تجارتی قافلے کی طرح ہیں جو لعل فروخت کرنے کو لایا ہو۔

ظاہر کرے ہے جنبشِ مژگاں سے مدّعا
طفلانہ ہاتھ کا ہے اشارہ، زبانِ اشک

طفلِ اشک ایک مشہور ترکیب ہے۔ چھوٹے بچے بولنا نہیں جانتے اور ہاتھوں کے اشارے سے کام لیتا ہیں۔ یہی اشارے ان کی زبان ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے طفلِ اشک پلکوں کی جنبش سے اپنا مدعا ظاہر کرتا ہے۔ اس کے پاس زبان نہیں اس لئے جنبشِ مژگاں اس کے ہاتھ کے اشارے ہیں

ہیں وادیِ طلب میں ہوا جملہ تن عرق
از بسکہ صرفِ قطرہ زنی تھا لبانِ اشک

قطرہ زنی: دوڑنا۔ میں طلب کی وادی میں آنسو کی طرح دوڑا اور دوڑتے دوڑتے پورا پورا پسینہ ہو گیا۔ آنسو بھی جملہ تن عرق ہوتا ہے۔ آنسو کی تشبیہ کے ساتھ قطرہ زنی کا لفظ خوب ہے۔

رونے نے طاقت اتنی نہ چھوڑی کہ ایک بار
مژگاں کو دوں فشارِ پئے امتحانِ اشک

رونے نے مجھے اتنا نحیف کر دیا کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ پلکوں کو جھٹک کر یا نچوڑ کر دیکھوں آیا ان میں آنسو کی بوند موجود ہے یا نہیں؟

دل خستگاں کو ہے طربِ صد چمن بہار
باغِ بخوں تپیدن و آبِ روانِ اشک

زخمی دل والے عشاق خون میں لوٹنے کو باغ اور آنسوؤں کے بہنے کو آبِ رواں سمجھتے ہیں۔ ان کیلئے یہ چیزیں سو باغوں کی بہار کی خوشی کے برابر ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی باغ و بہار ان کے نصیب میں نہیں "صد چمن بہار" میں "صد چمن" مقداری فقرہ ہے جو بہار کی کثرت دکھانے کیلئے آیا ہے یعنی بہت وسیع بہار۔

سیلِ بنائے ہستیِ شبنم ہے آفتاب
چھوڑے نہ چشم میں تپشِ دل نشانِ اشک

سیلِ بنا: وہ پانی کا دھارا جو کسی مکان کی بنیاد سے ٹکرا رہا ہو یعنی غارت کرنے والا اوس کی ہستی کو سورج غارت کر دیتا ہے۔ دل کی گرمی آنکھ میں آنسو کا نشان نہ چھوڑے گی کیونکہ یہ گرمی سورج کی طرح ہے اور آنسو اوس کی طرح۔

ہنگامِ انتظارِ قدومِ بتاں، اسدؔ
ہے بر سرِ مژہ نگراں، دیدبانِ اشک

دیدبان : جاسوس۔ نظرباز۔ جب ہم بتوں کے قدم رنجہ کرنے کا انتظار کرتے ہیں تو ہماری پلک پر آنسو کا دیدبان نگرانی کرتا رہتا ہے۔ یعنی حسینوں کے انتظار میں ہماری آنکھ اشک آلودہ ہو جاتی ہے۔

(گ)

(۱۰۴)

اے آرزو شہیدِ وفا خوں بہا نہ مانگ
جز بہرِ دست و بازوئے قاتل دعا نہ مانگ

آرزو شہید : شہیدِ آرزو۔ آرزو شہیدِ وفا : شہیدِ آرزوئے وفا یعنی وہ شخص جسے حسرت رہی کہ محبوب اس کے ساتھ وفا کرے اور جو آخرکار اس کی بے وفائی کو دیکھ کر شہید ہو گیا۔ ایسے شخص سے کہا ہے کہ تو خوں بہا نہ مانگ بلکہ یہ دعا کر کہ قاتل کے دست و بازو اور توانا ہوں جن سے وہ تجھے بار بار شہید کر سکے۔ آسیؔ نے شعر کا مخاطب آرزو کو قرار دیا ہے اور شہیدِ وفا اس کی صفت مانی ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ آرزو شہید ایک مرکب ہے۔ جو عاشق کیلئے آیا ہے۔

گستاخیِ وصال ہے مشّاطۂ نیاز
یعنی، دعا بجز خمِ زلفِ دوتا نہ مانگ

وصال عاشق کے جذبۂ نیاز کو سنوارتا یعنی بیدار کرتا ہے۔ اے عاشق تو صرف یہ دعا مانگ کہ محبوب کی زلف میں اور خم پڑیں یعنی وہ اور سنور جائے اور یہ خمِ زلف تیرے قبضے میں آجائے تاکہ وصال کے تجربے سے تیرا نیاز و عجز اور بالیدہ ہو جائے۔ زلفِ دوتا : خم شدہ زلف۔

عیسیٰ طلسمِ حسن تغافل ہے زینہار
جز پشتِ چشم، نسخۂ عرضِ دوا نہ مانگ

پشتِ چشم : غرور کی وجہ سے نگاہ نہ کرنا۔ عیسیٰ کسی حسین کا علاج کرنے کو گئے ہیں لیکن وہ توجہ ہی نہیں کرتا انھیں عرضِ دوا کا موقع ہی نہیں دیتا۔ اے عیسیٰ تیرا سامنا تغافل کے طلسم سے ہے۔ تو ایسی ترکیب چاہتا ہے کہ اپنی مجوزہ دوا عرض کرنے کا موقع

مل جائے لیکن یہ نہ ہوگا۔ تو اس کی پشتِ چشم کے سوا اور کچھ نہ مانگ، کچھ توقع نہ رکھ۔ اس کی آنکھ تیری طرف سے پیٹھ موڑے رہے گی۔ آسیؔ نے اس شعر کی شرح میں عیسیٰ کے بعد کا وقفہ حذف کر دیا ہے اور یہ معنی لکھے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام حسنِ تغافل کے طلسم ہیں۔ ان سے کسی دوا کی تمنا اور التجا نہ کر... ان سے صرف اسی بات کی استدعا کر کہ وہ آنکھ پھیر لیں اور واپس جائیں۔ اس نسخے کے سوائے اور کسی نسخے کی تمنا نہ رکھو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تجھ کو یہ بھی معلوم ہو کہ کسی سے کوئی کام نکل سکتا ہے۔ تب بھی کام نکلنے کی اُمید نہ رکھ۔ ہرگز وہ تیری تمنّا کے موافق نہ ہوگا۔

یہ تشریح بھی ممکن ہے گو میں پہلی تشریح کو ترجیح دوں گا۔

میں دور گردِ عرضِ رسومِ نیاز ہوں
دشمن سمجھ، و لے نگہِ آشنا نہ مانگ

میں رسمِ نیاز کی وجہ سے تجھ سے دور دور پھرتا ہوں۔ تیرے قرب میں آنے کی گستاخی نہ کروں گا۔ خواہ تو مجھے دشمن سمجھ بیٹھ لیکن مجھ سے یہ توقع نہ کر کہ میں پاس آکر تجھ پر نگاہِ آشنا ڈالوں گا اور اپنے نیاز کو رسوا کروں گا۔ یعنی ہم فرطِ نیاز و عجز کی وجہ سے تجھ سے دور ہیں۔

نظارہ دیگر و دلِ خونیں نفس دگر
آئینہ دیکھ، جوہرِ برگِ حنا نہ مانگ

جوہرِ برگِ حنا سرخ رنگ یعنی خون ہے۔ محض نظارہ کرنا اور بات ہے کوئی بھی نظارہ کر سکتا ہے لیکن اس کے سینے میں خونیں نفس دل بھی ہو یہ مشکل بات ہے۔ آئینہ تیرا نظارہ کرتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس دلِ خونیں بھی ہے اس کا جوہر سادہ سفید ہے اس سے جوہرِ سُرخ کی توقع نہ کر۔ یعنی ہر نظارہ کرنے والا عاشقِ جاں نثار نہیں ہوتا۔ نسخۂ شیرانی میں حنا کی جگہ دعا بنا دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک برگِ دعا کا کوئی محل نہیں میں اس موقع پر نسخۂ شیرانی کی ترمیم کو سہو قرار دوں گا۔

یک بختِ اوج، نذرِ سبکباریِ اسدؔ
سر پر وبالِ سایۂ بالِ ہما نہ مانگ

ہما کے پر کا سایہ پڑنے سے آدمی بادشاہ ہو جاتا ہے لیکن انگریزی کی ضرب المثل ہے کہ جس سر پر تاج ہوتا ہے اسے عدمِ سکون کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گویا سایۂ بالِ ہما ایک وبال ہے۔ اوج کی مقدار دکھانے کو غالبؔ نے "یک بخت" کی ترکیب اختراع کی ہے۔ ایک قسمت بھر بلندی یعنی

بہت بلندی، سبک باری : بوجھ کا نہ ہونا یا بہت کم ہونا۔ بادشاہت بوجھ ہے۔ اسد نے قسمت کی بلندی کو سبک باری پہ قربان کر دیا۔ نہ بادشاہ ہوگا نہ مصیبتوں میں پڑے گا۔ ذمہ داری کے بغیر ہلکا پھلکا چلے پھرے گا۔

(ل)

(۱۰۴)

بدر ہے آئینۂ طاقِ ہلال
غافلاں نقصاں سے پیدا ہے کمال

ہلال کی شکل طاق جیسی ہوتی ہے۔ طاق میں آئینہ رکھا جاتا ہے۔ بدر، ہلال سے پیدا ہوتا ہے گویا بدر ایسا آئینہ ہے جو ہلال کے طاق میں موجود ہے۔ اے غافلو دیکھو شروع میں کوئی ضعیف و نحیف ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسی سے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ہلال نقصان یعنی کاہیدگی کی نشانی ہے اور بدر کمال یعنی تکمیل کی۔

ہے بہ یادِ زلفِ مشکیں سال و ماہ
روزِ روشن، شامِ آں سوئے خیال

شامِ آں سوئے خیال : وہ شام جو تصور سے دوسری طرف ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی شام بہت دھندلی بلکہ تاریک اور سنسان ہوگی۔ میں سارے سال اور سارے مہینے سیاہ زلفوں کی یاد کرتا ہوں۔ اس کی یاد میں روشن دن مجھے خیال سے پرے کی رات کی طرح تاریک اور سنسان معلوم ہوتا ہے۔

بسکہ ہے اصلِ دمیدن ہا، غبار
ہے نہال شکوۂ ریحاں، سفال

چونکہ چیزیں مٹی سے نشو و نما پاتی ہیں اسلئے ریحاں کو مٹی سے شکوہ ہے کہ تو نے مجھے بالیدہ نہیں کیا۔ مٹی ریحاں کے شکوہ سے نہال ہو گئی ہے یعنی متاعِ شکوہ سے بھرپور اور کامراں ہے۔ نہال پر ایہام ہے۔ ممکن ہے دوسرے مصرع کی قرأت یوں ہو ع ہے نہال شکوہ، ریحانِ سفال۔ غزل ۱۰۶ میں غالب نے ریحانِ سفال کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ مٹی کے پھول شکوے سے نہال ہو گئے ہیں شکوہ یہ ہے کہ مٹی سے ہر چیز کی نشو و نما ہوتی ہے، ہم مٹی سے بنے ہیں تو ہم کیوں نہیں پھولے۔

صفائی رخ سے ترے ہنگامِ شب
عکسِ داغِ مہ ہوا عارض پہ خال

شعر کے دو معنی ہیں رات کے وقت تیرے چہرے کی صفائی سے گال پر تل ایسا معلوم ہوا جیسے عارض چاند ہے اور اس میں تل داغ ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ داغِ مہ کا عکس تیرے گال پر پڑا اور ایسا معلوم ہوا جیسا گال پر تل ہو۔ اس طرح یہ دکھانا مقصود ہے کہ چاند پر داغ ہے۔ تیرے گال پر داغ نہیں۔

نور سے تیرے ہے اس کی روشنی
ورنہ تھا خورشید یک دستِ سوال

اے خدا سورج میں تیرے نور سے روشنی ہے۔ اس کے پاس اپنا کیا دھرا ہے۔ اس کی ہیئتِ ظاہری ہی سوال کے لئے پھیلائے ہوئے ہاتھ کی سی ہے یعنی اس کی متاع مانگے کا اُجالا ہے۔

شورِ حشر اس فتنہ قامت کے حضور
سایہ آسا ہو گیا ہے پائمال

جس طرح سایہ پاؤں میں پڑا رہتا ہے یعنی پامال ہوتا ہے اسی طرح محبوب کے فتنۂ قیامت کے سامنے شورِ حشر پامال ہو گیا۔ یعنی اس کا قد جتنا فتنہ بپا کرتا ہے قیامت نہیں کر سکتی۔

ہو جو بلبل پیروِ فکرِ اسد
غنچۂ منقارِ گل ہو زیرِ بال

منقارِ گل : گل میں گ پر زیر ہے "منقارِ گل" زبان کو کہتے ہیں۔ زیرِ بال : سو جانا، پرندے سوتے وقت سر کو پروں میں کر لیتے ہیں۔ اگر بلبل میری فکر کی تقلید کرے تو زبان کو پروں میں چھپا کر سو جائے یعنی ان خیالات کو ادا کرنے کی قدرت نہ رکھے اور خاموش رہ جائے۔

(۱۰۵)

ہر عضو غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل
جوں زلفِ یار ہوں میں سراپا شکستہ دل

غم کی وجہ سے میرے بدن کا ہر عضو شکستہ دل ہو رہا ہے۔ جیسے کوئی شکن (مثلاً کپڑے کی شکن) ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہے اسی طرح عضو ٹوٹ رہے ہیں۔ میں یار کی زلف کی طرح دل شکستہ ہوں۔ زلفِ یار غم کی وجہ سے شکستہ ہوتی ہے۔

ہے سرنوشت میں رقمِ واشکستگی
ہوں جوں خطِ شکستہ بہ ہر جا شکستہ دل

واشکستگی : شکستہ دلی ، خطِ شکست واقعی ٹوٹا ہوا ہو کہ نہ ہو پر نام کے اعتبار سے ضرور ٹوٹا ہوا ہے۔ میری قسمت میں شکست ہونا لکھا ہے۔ میں خطِ شکست کی طرح ہر جگہ شکستہ دل ہوں۔

امواج کی جو یہ شکنیں آشکار ہیں
ہیں چشم اشک ریز سے دریا شکستہ دل

میری آنسو بہانے والی آنکھ سے دریا ہار مان گئے۔ شکستہ دل ہو گئے ان کی پیشانی پر غم کی شکنیں آگئیں وہ شکنیں کون سی ہیں؟ دریا کی موجیں۔ آہی نے چشم کو دریا کی چشم قرار دیا ہے۔ میرے نزدیک اپنی چشم کا ذکر ہے۔

ناسازیٔ نصیب درشتیٔ غم سے ہے
اُمید نا اُمید و تمنا شکستہ دل

غم کی سختی کی وجہ سے میری قسمت خراب ہے اُمید نا اُمید ہو گئی ہے اور تمنا کا دل ٹوٹ گیا ہے۔

ہے سنگِ ظلم چرخ سے میخانے میں آسد
صہبا فتادہ خاطر و مینا شکستہ دل

آسد میخانے میں آسمان نے ظلم کا پتھر مارا جس سے شراب کا دل گرا ہوا ہے اور بوتل کا دل ٹوٹ گیا۔ کوئی بوتل پر پتھر مارے تو بوتل ٹوٹ کر شراب گر جاتی ہے۔

(۱۰۹)

ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشت خیال
اک سفیدی مارتی ہے دور سے چشم غزال

انتظار آوارہ : انتظار میں ادھر اُدھر گھومنے والا۔ حسینوں کے انتظار میں مجھ پر ایک وحشت طاری ہو گئی ہے اور میں خیال میں آوارہ پھرتا ہوں۔ ہرن کی آنکھ کو وحشی کہا جاتا ہے میں دشتِ خیال میں اتنی دور نکل گیا ہوں کہ وحشی ہرن بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کی آنکھ دور سے ایک سفید دھبے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

ہے قفس پروردہ گلشن کس ہوائے بام کا
طوقِ قمری میں ہے، سروِ باغ ریحانِ سفال

دوسرے مصرع کی نثر ہے ع طوقِ قمری میں ریحانِ سفال سروِ باغ ہے۔ قفس پروردہ پرورش یافتہ۔ کس بام سے مراد محبوب کا بام ہے۔ ریحان ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے کہتے

ہیں کہ باغ میں کس بام کی ہواؤں سے تر و تازگی اور شادابی کا عالم ہے کہ طوقِ قمری جو قمری کے خاکستری رنگ کی وجہ سے مٹی کی بنی ہوئی گھاس معلوم ہوتا ہے۔ ہوائے بام کے اثر سے سرو کی طرح سر سبز ہے۔ طوقِ قمری : قمری کے گلے کا سیاہ دائرہ۔ پہلے اسے مٹی کی گھاس سے تشبیہہ دی بعد میں سرو سے۔ ظاہر ہے کہ دونوں تشبیہیں ناقص ہیں۔ قمری کو کفِ خاکستر کہا جاتا ہے۔ اس لیے طوق کو ریحانِ سفال کہا۔

ہم غلط سمجھے تھے لیکن زخمِ دل پر رحم کر
آخر اس پردے میں تو ہنستی تھی اے صبحِ وصال

ہم کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ زخمِ دل کو زخم سمجھ کر اس کا علاج کر رہے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ اے صبحِ وصل یہ تیرا خندۂ دنداں نما ہے۔ صبحِ وصال وہ صبح ہے جس دن محبوب آکر ملنے والا ہے صبحِ وصال سے درخواست کرتے ہیں کہ تو یہ رحم کرنا کہ مدتوں سے میرے زخمِ دل کو مندمل نہ کر دینا۔ کیونکہ میرے لئے زخم صبح کی نشانی ہے۔ صبح بھی ایک قسم کی کشود ہے۔ "زخمِ دل پر رحم کر" کے سیدھے سادے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اب زخم کو چھوڑ دے اور اسے مندمل ہونے دے۔

بے کسی افسردہ ہوں اے ناتوانی کیا کروں
جلوۂ خورشید سے ہے گرم پہلوئے ہلال

پہلو گرم ہونا : گرم جوشی سے صحبت نشیں ہونا۔ اے ناتوانی میں بیکسی سے افسردہ ہوں۔ ہلال کو جلوۂ خورشید نصیب ہے لیکن میرا کوئی ساتھی کوئی مہرباں نہیں۔ ہلال بھی میری طرح ناتواں ہے لیکن اس کی پشت پر ایک بہت بڑی طاقت ہے۔

شکوہ درد و درد داغ، اے بے وفا معذور رکھ
خوں بہائے یک جہاں اُمید ہے تیرا خیال

اے بے وفا اگر ہم تیرا شکوہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں معذور رکھ کیونکہ شکوہ درد پیدا کرتا ہے، درد داغ دیتا ہے اور ہمیں داغ پسند ہے۔ تو نے ہماری اُمیدوں کا ایک جہان خون کیا ہے۔ ہم تجھ سے اس کا خوں بہا نہیں مانگتے کیونکہ ہم جو تجھ سے شکوہ کرتے ہیں اور اس وقت جو تیرا خیال آتا ہے وہ ہمیں داغ کی دولت دیتا ہے۔ اس طرح ہمیں خوں بہا مل جاتا ہے۔

عرضِ دردِ بے وفائی، وحشتِ اندیشہ ہے
خوں ہوا دل تا جگر یا رب زبانِ شکوہ لال

تمہاری بے وفائی نے ہمارے دل وجگر میں جو درد پیدا کیا ہے اس کے اظہار کی بات سوچنے ہی سے فکر و ذہن میں وحشت پیدا ہوتی ہے۔ اتنا زیادہ درد کہاں تک بیان کریں گے دل سے جگر تک سب خون ہو گیا۔ کیا اچھا ہو کہ شکوہ کرنے والی زبان گونگی ہو جائے۔ لال: گونگی۔

اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسدؔ
مالِ سنی کو مباح اور خونِ صوفی کو حلال

چونکہ یہ ابتدائے عمر کا کلام ہے اس وقت تک غالباً غالبؔ سنی عقیدہ تھے شیعہ مسلک تصوف کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ غالبؔ کہتے ہیں میں سنی ہوں صوفی ہوں میرا محبوب شیعہ ہے جفا پیشہ ہے وہ سنی کا مال اُڑا لینے کو اور صوفیوں کی جان لینے کو حلال اور جائز سمجھتا ہے۔

(۱۰۵)

بہرِ عرضِ حال، شبنم ہے رقمِ ایجادِ گل
ظاہرا ہے اس چمن میں لالِ مادر زاد گل

رقم: تحریر۔ لال: گونگا۔ پھول پر شبنم کی بوندیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے صفحے پر کچھ لکھا ہو پھول ظاہرا پیدائشی گونگا ہے اس لئے اپنی حالت عرض کرنے کیلئے اس نے شبنم سے تحریر ایجاد کی یعنی لکھ کر حال پیش کیا۔

گر کرے انجام کو آغاز ہی میں یاد، گل
غنچے سے منقارِ بلبل وار ہو فریاد، گل

گل ہونا: ظاہر ہونا۔ پھول کا انجام پتیاں بکھر کر ختم ہو جانا ہے۔ اگر پھول شروع ہی میں یعنی غنچگی کے عالم ہی میں اپنے انجام کو یاد کرے تو غنچے سے بلبل کی چونچ کی طرح فریاد ظاہر ہو غنچے کی مشابہت منقار سے ہوتی ہے۔

گر بہ بزمِ باغ کھینچے نقشِ روئے یار کو
شمع ساں ہو جائے قطِ خامۂ بہزاد گل

گل کے معنی پھول بھی ہیں اور شمع کی جلی ہوئی بتی بھی۔ یہاں اس دو معنی پن کا فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ اگر بہزاد کا قلم یار کو باغ کی محفل میں بیٹھا ہوا دکھائے تو اس کے اثر سے اس کے قلم کا قط یعنی نوکِ قلم پھول بن جائے گا جیسا کہ شمع کے ساتھ ہوتا ہے۔ شمع کے سر پر بھی گل پیدا ہو جاتا ہے۔ غالبؔ یہ بھول گئے ہیں کہ شمع کا گل ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ قلم کی نوک کو

گل اس کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کہا گیا ہے آسی نے یہ معنی بھی درج کئے ہیں کہ قطِ خامہ پر شمع کا سا گل آجائے یعنی قلم بیکار ہو جائے کیونکہ بہزاد محبوب کا نقش کھینچنے کے نااہل ہے۔ پہلے مصرع کی شگفتہ فضا کے زیرِ نظر میں پہلی تشریح کو بہتر سمجھتا ہوں۔

دستِ رنگیں سے جو رُخ پر وا کرے زلفِ رسا
شاخِ گل میں ہو نہاں، جوں شانہ در شمشاد، گل

شمشاد کی لکڑی سے شانہ بنایا جاتا ہے اس لئے شانہ شمشاد کہتے ہیں۔ اگر محبوب اپنے دستِ رنگیں سے لمبے بالوں کو چہرے پر کھول دے تو غیرت کے مارے پھول شاخِ گل میں اس طرح سما کر چھپ جائے گا جیسے شانہ شمشاد کی لکڑی کے اندر چھپا رہتا ہے۔ چونکہ شانہ وجود میں آنے سے پہلے شمشاد میں جذب رہتا ہے اس لئے گل کے شاخِ گل میں نہاں ہونے سے مراد شاخِ گل کے اندر ضم ہونا ہے لیکن اگر دستِ رنگیں پر زور دیا ہو تو نہاں ہونے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پھول شاخِ گل کے پتوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ اس صورت میں دستِ رنگیں کی فوقیت شاخِ گل پر اور رُخ کی فوقیت گل پر ثابت ہو جائے گی۔

سعیِ عاشق ہے فروغ افزائے آبِ روئے کار
ہے شرارِ تیشہ، بہرِ تربتِ فرہاد گل

روئے کار: ریشمی یا دوسرے کپڑے کا سیدھا رُخ۔ یہاں روئے کار سے مراد قبر کا بیرونی حصہ ہے۔ عاشق نے زندگی میں جس قدر جد و جہد کی ہے اسی کے تناسب سے اس کی قبر پر چمک اور روشنی ہوتی ہے یعنی مرنے کے بعد اس کا احترام ہوتا ہے۔ فرہاد کے تیشے سے جو شرار نکلا وہ اس کی محنت کی نشانی ہے۔ قبر پر گل چڑھانا کسی کا احترام کرنا ہے۔ فرہاد کے تیشے کی چنگاری اس کی قبر کا پھول بنے گی یعنی فرہاد نے جو جفاکشی کی ہے اس سے اس کا احترام و وقار بہت زیادہ بڑھ گیا۔

ہے تصور صافیِ قطعِ نظر از غیرِ یار
لختِ دل سے لا دے شمعِ خیال آباد گل

صافی: صاف کرنے والا۔ قطعِ نظر: نظر کا قطع راہ کرنا یعنی نظارہ کرنے کا عمل: خیال آباد: خیالوں کی دنیا۔ گل لانا: شمع پر گل آنا۔ آسی نے گل کے معنی پھول سمجھ کر دوسرے مصرع کو پھول کے بارے میں قرار دیا۔ جو صحیح نہیں۔ تصور اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ نظرِ یار کے علاوہ کسی اور شے کو دیکھے تو تصور اس کی روک تھام کرے اور نظارے کی صفائی کرے۔ خیالوں کی دنیا

کی شمع پر جو گل ظاہر ہو رہا ہے اور جیسے کاٹ کاٹ کر نکالا جا رہا ہے وہ لختِ دل ہے یعنی آنکھوں کے راستے لختِ دل نکل رہے ہیں جس سے مسلسل تزکیۂ نفس ہو رہا ہے، گویا یہ لختِ دل گُل کی طرح محض گندگی تھے۔

گلشن آبادِ دلِ مجروح میں ہو جائے ہے
غنچۂ پیکانِ شاخِ ناوکِ صیاد گل

میرا زخمی دل باغ کی طرح ہے۔ اس میں صیاد کے تیر کا پیکان آ کر لگتا ہے تو یہ پیکان جو بند غنچے کی طرح ہے دل کے خون سے پھول کی طرح بن جاتا ہے۔ دل خون اور زخم کی وجہ سے گلشن سے مشابہ ہو گیا ہے۔ غنچے کی رعایت سے ناوک کو شاخ قرار دیا ہے۔

برق سامانِ نظر ہے، جلوۂ بے باکِ حسن
شمعِ خلوت خانہ کیجئے ہر چہ باد اباد گل

محبوب کا بے باک جلوہ نظروں کو بجلی کی طرح چکا چوند کر دیتا ہے اور بجلی کی طرح گرتا ہے۔ اب جو کچھ بھی ہوا ہے خلوت خانے کی شمع بجھا دیجئے اور برقِ حسن پر اکتفا کیجئے۔

خاک ہے عرضِ بہارِ صد نگارستاں اسدؔ
حسرتیں کرتی ہے میری خاطرِ آزاد، گل

گُل کردن: ظاہر شدن۔ عرضِ بہارِ صد نگارستان: سو باغوں کی بہار کا بیان کرنا۔ اے اسدؔ میری طبیعت خاک ہنسی خوشی کے مضامین کا بیان کرتی۔ میری آزاد طبیعت تو حسرتوں کا اظہار کر رہی ہے۔ شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خاکِ زمیں سو نگارستانوں کی بہار پیدا کرتی ہے لیکن میری طبیعت اس کے برعکس محض حسرتیں پیدا کرتی ہے۔ یہاں گل کرنے کے لفظ سے فائدہ اُٹھایا ہے کہ کم از کم کہنے کی حد تک تو طبیعت حسرتوں کو گل کر رہی ہے۔

(۱۰۸)

گر چہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ دل
ہے چمن سرمایۂ بالیدنِ صد رنگ دل

اگرچہ دل بیضۂ طاؤس کی طرح تنگ ہے یعنی فی الحال طول ہے لیکن دل ہی کے پاس ایسے باغوں کا سرمایہ ہے جن میں سینکڑوں رنگ ہیں۔ بیضۂ طاؤس میں سے بھی طاؤس پیدا ہوتا ہے جس میں متعدد رنگ ہوتے ہیں۔

بے دلوں سے ہے تپش، جوں خواہشِ آب از سراب
ہے شرر موہوم، اگر رکھتا نہ ہووے سنگ، دل

تڑپ اور جلن بیدل عاشقوں کی بدولت موجود ہوتی ہے جس طرح پیاس سراب کی بدولت ہوتی ہے اگر پانی موجود ہو تو پیاس کیونکر رہ سکتی ہے۔ عاشق بے دل بڑے جیالے ہوتے ہیں وہ بلائیں اس طرح برداشت کرتے ہیں جیسے ان کے دل کی جگہ پتھر ہو۔ اگر دل میں پتھر نہ ہو تو چنگاری بھی نہیں نکل سکتی یعنی جفاکش دل نہ ہو تو تڑپ کس طرح ہو سکتی ہے۔

اس شعر کے ایک اور معنی بہت صاف ہیں۔ بے دل عاشقوں سے تپش کا مطالبہ اس طرح بے سود ہے جیسے سراب سے پانی کی خواہش کرنا۔ اگر کوئی پتھر دل نہ رکھتا ہو تو اس میں شرر بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی انسان دل نہیں رکھتا تو اس میں تپش کی چنگاری بھی نہ ہوگی۔ اس تشریح میں آخری مصرع کی نثر ہوتی "اگر سنگ، دل نہ رکھتا ہو" پہلی تشریح میں یہ ترتیب اُلٹ کر یوں فرض کی گئی تھی اگر دل، سنگ نہ رکھتا ہو۔

رشتۂ فہمیدِ ممسک ہے یہ بندِ کوتہی   عقدۂ پیسا ہے کیسۂ زر پر خیالِ تنگ دل

تنگ دل: کنجوس، ممسک۔ کنجوس آدمی کی عقل کا دھاگا کوتاہ ہوتا ہے۔ یعنی عقل کم ہوتی ہے۔ اس کا خیال روپے کی تھیلی پر گرہ لگائے رہتا ہے تاکہ روپیہ محفوظ رہے اور اس تھیلی میں سے نکل نہ سکے۔ لیکن کوئی رشتہ گرہ لگاتا ہو تو اس کی لمبائی کم ہو جائے گی۔ کنجوس آدمی صرف روپے کے بارے میں سوچتا ہے اس لئے بقیہ سب امور میں وہ ناسمجھ ہو جاتا ہے۔

ہواں زیر پا افتادۂ اندازِ یادِ حسنِ سبز
کس قدر ہے نشہ فرسائے خمارِ بنگ دل

سبزہ رنگ: ملیح سانولے رنگ کو کہتے ہیں۔ حسنِ سبز اس حسن کو کہتے ہیں جس کا رنگ قدرے سانولا ہو۔ اُردو میں کالا رنگ اور نیلے رنگ کیلئے سبز آتا ہے زیر پا افتادہ کے معنی ہیں گرنا۔ مجھے سانولے حسن کی اداؤں کی یاد نے بالکل چت گرا دیا ہے۔ دل بھنگ کے خمار سے کتنا زیادہ نشے میں ہو گیا ہے۔ یادِ حسن میں نشے کی کیفیت ہوتی ہے۔ چونکہ حسن کو سبز کہا ہے اس لئے اسے بھنگ سے تشبیہ دی ہے کیونکہ بھنگ سبز رنگ کی ہوتی ہے۔ اس حسن کی یاد اس طرح پاؤں سے گھسیٹ کر گرا دیتی ہے جیسے نشے میں ہوا کرتا ہے۔

شوقِ بے پروا کے ہاتھوں قفلِ سازِ نادرست   کھینچتا ہے آج نالے خارجِ آہنگ، دل

جذبۂ عشق بے پروا کی وجہ سے میں عجیب بھونڈے طریقے سے نالے کر رہا ہوں۔ چونکہ شوقِ عشق لاابالی ہوتا ہے۔ اسے نالوں کے تال سُر سے کیا واسطہ۔

اے اسدؔ، خامش ہے طوطیٔ شکر گفتارِ طبع
ظاہرا رکھتا ہے آئینہ اسیرِ زنگ، دل

میری طبیعت میٹھی باتیں کرنے والی طوطی تھی لیکن آج خاموش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کے پاس جو آئینہ ہے اس پر زنگ لگ گیا ہے۔ لوہے کے آئینے پر زنگ لگتا ہے۔ زنگ لگنے کے بعد آئینہ ناصاف ہو جائے گا۔ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر بولنا سکھاتے تھے جب آئینہ زنگ خوردہ ہوگا تو اس کے سامنے طوطی شکر گفتار نہیں ہو سکتی۔

(۱۰۹)

دیوانگاں کا چارہ فروغِ بہار ہے
ہے شاخِ گل میں پنجۂ خوباں بجائے گل

دیوانے عاشقوں کا علاج بہار کے بڑھنے میں ہے یعنی یہ کہ جگہ جگہ پھول کھلیں۔ شاخِ گل میں جو پھول ہیں وہ حسینوں کے ہاتھ کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ دیوانوں کو حسینوں کا جلوہ دیکھنے سے راحت ہوگی اس لئے جتنے بھی پھول کھلیں گے ان کے حق میں اچھا ہے

مژگاں تلک رسائیٔ لختِ جگر کہاں؟
اے وائے! اگر نگاہ نہ ہو آشنائے گل

روتے وقت جگر کے ٹکڑے آنسوؤں کے ساتھ پلک تک نہیں آتے۔ افسوس اگر نگاہ پھولوں سے آشنا نہ ہو۔ میرے لئے لختِ جگر ہی پھول تھے۔ نگاہ انھیں سے محروم ہے۔

(م)

(۱۱۰)

اثر کمندیِ فریادِ نارسا معلوم
غبارِ نالہ، کمیں گاہِ مدعا، معلوم

اس پوری غزل میں "معلوم" کے معنی نفی کے ہیں۔ اثر کمندی: اثر کو گرفتار کرنا۔ کمیں گاہِ مدعا: مدعا کو پکڑنے کی گھات لگانے کی جگہ یعنی مدعا حاصل کرنا۔ ہماری فریاد نارسا ہے یہ کبھی اثر نہ کرے گی۔ ہمارا نالہ کبھی مدعا برآری نہ کر سکے گا۔

بہ قدرِ حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے
وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم

خانۂ آئینہ: آئینے کے اندر گہرائی اور خلا سے جو گھر دکھائی دیتا ہے۔ حسن عشق کے حوصلے کے مطابق جلوہ کی بارش کرتا ہے۔ آئینہ کے گھر کی گہرائی اور فضا کی وسعت کچھ بھی نہیں لیکن چونکہ آئینے میں عشق کا بڑا حوصلہ ہے یعنی مسلسل محبوب کو دیکھتے رہنا چاہتا ہے اسی لئے محبوب بھی اس پر خوب جلوہ کی بارش کرتا ہے۔ آئینے کے سامنے محبوب کا آنا آئینہ پر جلوہ ریزی ہے۔

بہار در گرہِ غنچہ، شہر جولاں ہے
طلسمِ ناز، بجز تنگیٔ قبا معلوم

غنچے کی نسبت کھلا ہوا پھول زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ پنکھڑیوں کا سیدھا اور زیادہ رنگین رُخ غنچے میں سمٹا ہوا ہے گویا بہار غنچے کی گرہ میں بند ہے۔ شہر میں جا بجا بہ کثرت کلیاں آئی ہوئی ہیں گویا بہار غنچے میں بند ہو کر سارے شہر کی سیر کر رہی ہے۔ بہار نے اپنے ظہور کیلئے تنگ مقام (گرہِ غنچہ) کو پسند کیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ فیشن پرست اور ناز کرنے والے لڑکے چُست لباس اور تنگ قبا پہنتے ہیں۔ ڈھیلے لباس میں نمودِ حسن نہیں کرتے۔

طلسمِ خاک، کمیں گاہِ یک جہاں سودا
بہ مرگ، تکیۂ آسائش فنا معلوم

طلسمِ خاک: دنیا۔ کمیں گاہِ یک جہاں سودا: ایسی کمیں گاہ جو بہت سارے سودا کو شکار کرے یعنی سودا کا مقام۔ دنیا سودا کی تحصیل کا مقام ہے اسی لئے مرنے کے بعد بھی آرام نہ مل سکے گا۔ آرام کی انتہا فنا ہے اور آرام کا آلہ تکیہ۔ اس لئے فنا کو تکیۂ آسائش کہا ہے لیکن چونکہ طلسمِ خاک میں سودا بھرا ہوا ہے اور مرنے کے بعد خاک ہی میں جاتا ہے یعنی طلسمِ خاک سے باہر نہیں جا سکتے اس لئے بجائے آسائش کے سودا ہی ملے گا۔

تکلف آئینۂ دو جہاں مدارا ہے
سُراغِ یک نگہِ قہر آشنا معلوم

اگر کسی کے پاس جائیے اور وہ شروع ہی میں تکلف سے بات چیت کرے تو یہ اس بات کا آئینہ ہے کہ وہ آپ کی بہت خاطر مدارات کرے گا۔ تکلف مدارات کا سُراغ دیتا ہے۔

لیکن کسی کی قہر آلودہ نگاہ کو سُراغ کون سا ہوتا ہے کسی کو معلوم نہیں جس طرح خاطر تواضع کا پیش خیمہ تکلف ہے۔ اسی طرح قہر و غضب کا پیش خیمہ بھی کچھ ہے کہ نہیں؟

اس شعر کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ لوگ ظاہراً تکلف کے زیرِ اثر دُنیا بھر کی خاطر مدارات کرتے ہیں لیکن دراصل ان کی نگاہ قہر آشنا ہوتی ہے یعنی دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ ان کی ظاہری مدارات میں نگاہِ قہر کا سُراغ کیونکر لگایا جا سکتا ہے۔

اسدؔ فریفتۂ انتخابِ طرزِ جفا
وگرنہ دلبریِ وعدۂ وفا معلوم

وعدۂ وفا میں ہمارا دل موہنے والی کوئی بات نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ وفا ہرگز نہ کریں گے۔ اس کے باوجود ہمیں وعدۂ وفا پسند ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ جفا کے لئے اس طریقے کے انتخاب کو ہم پسند کرتے ہیں۔

(۱۱۱)

بسکہ ہیں بدمستِ بشکنِ بشکنِ میخانہ ہم
موئے شیشہ کو سمجھتے ہیں خطِ پیمانہ ہم

بشکن بشکن: بڑا جشن جس میں اسبابِ رقص و رنگ و نغمہ وغیرہ جمع ہوں۔ ہم میخانے کے جشن کی وجہ سے بدمست ہیں اگر بوتل میں کوئی بال بھی پڑ جاتا ہے تو بھی ہم اس کی پروا نہیں کرتے اسے جام کے اندر والے خط کی طرح سمجھتے ہیں اور نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بشکن کے لغوی معنی ہیں "توڑ" اسی کا نتیجہ موئے شیشہ ہوگا۔ جام میں خط جامِ جم کی خصوصیت تھی اب ہر جام کے لئے لایا جاتا ہے۔

بسکہ ہر یک موئے زلف افشاں سے ہے تارِ شعاع
پنجۂ خورشید کو سمجھے ہیں دستِ شانہ ہم

افشاں: گوٹے یا مقیش کی باریک کترن جو آرائش کیلئے زلفوں پر چھڑکی جاتی ہے۔ دستِ شانہ: دست شانہ بغیر اضافت ایک قسم کا شانہ ہوتا ہے جس سے اُلجھے ہوئے ریشم کو سلجھاتے ہیں۔ یہاں شانے کا ہاتھ یعنی دانتے مراد ہیں۔ افشاں کی وجہ سے اس کی زلف کا ہر بال کرن معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم شعاع دار سورج کے پنجے کو محبوب کی زلفوں کا شانہ سمجھ بیٹھے

ہے فروغِ ماہ سے ہر موج ایک تصویرِ چاک
سیل سے فرشِ کتاں کرتے ہیں تا ویرانہ ہم

کتاں ایک روایتی باریک کپڑا ہے جو چاند کی کرنوں سے پھٹ جاتا ہے۔ پانی کی موجیں بھی ایک دوسرے سے پھٹی پھٹی رہتی ہیں۔ یہ عام طور سے معلوم ہے کہ چاندنی سے مدوجزر آتا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ سیلاب آیا ہوا ہے۔ اس پر چاند کا عکس پڑا تو ہر موج چاک چاک دکھائی دینے لگی اس طرح ہم اپنے گھر سے ویرانے تک فرشِ کتاں بچھا دیتے ہیں۔ یہ فرشِ کتاں کون سا ہے؟ سیلِ امواج جو تباہی کا پیش خیمہ ہے یا پھر آنسوؤں سے سیل برپا ہے۔

مشقِ از خود رفتگی سے ہیں بہ گلزارِ خیال
آشنا تعبیرِ خوابِ سبزۂ بیگانہ ہم

سبزۂ بے گانہ وہ سبزہ ہے جو تراشنے کے قابل ہو۔ خیالات کے باغ میں ہم نے کھو جانے اور از خود رفتہ ہونے کی مشق کی۔ اس طرح ہم سبزۂ بیگانہ کے خواب کی تعبیر سے واقف ہو گئے ہیں۔ خوابِ سبزہ مشہور ہے۔ ہمارے از خود رفتہ ہونے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ کوئی ہمارے دردِ دل پر توجہ نہیں کرتا۔ یہی کیفیت سبزۂ بیگانہ کی ہے کہ کوئی اس کا آشنا نہیں۔

فرطِ بے خوابی سے ہیں شبہائے ہجرِ یار میں
جوں زبانِ شمع، داغِ گرمیِ افسانہ ہم

ہمارے افسانے یعنی روداد سرگذشت میں بڑی گرمی تھی۔ ہمیں اس گرمی کا شکوہ ہے اس کی وجہ سے ہجر کی راتوں میں ہم پڑے جاگتے رہتے ہیں۔ شمع کی زبان بھی اپنے افسانے کی گرمی سے جل کر محض داغ ہو جاتی ہے۔ ہم بھی اسی کی طرح جل رہے ہیں اور بے خواب ہیں۔

جانتے ہیں جوششِ سودائے زلفِ یار میں
سنبلِ بالیدہ کو موئے سرِ دیوانہ ہم

ہمیں زلفِ یار کا سودا ہے ہمیں سنبل خوش نما زلف کی طرح نہیں معلوم ہوتا بلکہ زلفِ یار کے مقابلے میں کسی دیوانے کے سر کے اُلجھے ہوئے بال کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

بسکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے
چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ خلوت خانہ ہم

وہ محبوب غیروں کی محفل کی رونق بنا ہوا ہے۔ اس کے غم میں ہم اکیلے کمرے میں خلوت خانے کی شمع کی طرح خاموشی سے جل رہے ہیں۔

شامِ غم میں سوزِ عشقِ آتشِ رُخسار سے
پُرفشانِ سوختن ہیں، صورتِ پروانہ ہم

آتشِ رخسار: سرخ گالوں کی تمتماہٹ۔ پرفشاں: پرواز کرنا۔ ہجر کی رات میں ہمیں محبوب کے تمتماتے گال یاد آرہے ہیں جس طرح پروانہ اُڑ کر شمع کی طرف جاتا ہے اور جل جاتا ہے اسی طرح ہم بھی جل اُٹھنے کا سامان کر رہے ہیں۔

(۱۱۲)

رہتے ہیں افسردگی سے سخت بے درد ہم
شعلہ ہا نذرِ سمندر، بلکہ آتش خانہ ہم

افسردگی کی وجہ سے ہم خود پر بڑی سختیاں کرتے ہیں۔ ہماری حالت ایسی ہے جیسے شعلوں میں گھرا سمندر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم سراپا آتش کدہ بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے مصرع کی نثر ہے "ہم شعلہ ہا نذرِ سمندر (ہیں) بلکہ آتش خانہ (ہیں)"

حسرتِ عرضِ تمنایاں سے سمجھا چاہیئے
دو جہاں حشرِ زبانِ خشک ہیں، جوں شانہ ہم

دو جہاں حشر: بہت زیادہ بے تابی۔ زبانِ خشک: نہ بول سکنے کی علامت ہے۔ ہم محبوب کے حضور اپنی تمنا عرض کرنا چاہتے ہیں اس کی حسرت کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ شانے کی طرح ہماری زبان خشک ہے یعنی بول نہ سکنے کی وجہ سے یہ حال ہوا ورنہ بولنے کے لئے بڑی بے قراری ہے۔ شانے کے بہت سی زبانیں ہوتی ہیں لیکن خشک یعنی وہ بھی بولنے کے لئے تڑپتا ہے۔

کشتیِ عالم بہ طوفانِ تغافل دے کہ ہیں
عالمِ آبِ گدازِ جوہرِ افسانہ ہم

آئینہ بھی پگھل سکتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا جوہر بھی۔ گدازِ جوہرِ افسانہ: افسانے کے جوہر کا پگھلنا۔ عالمِ آبِ گدازِ جوہرِ افسانہ: افسانے کے جوہر کے پگھلے ہوئے پانی کی دنیا۔ گداز درد و سوز کو بھی کہتے ہیں۔ افسانے کے درد و سوز کی دنیا یعنی درد و سوز سے بھرا ہوا افسانہ۔ اے محبوب تو دنیا کی کشتی طوفانِ تغافل میں چھوڑ دے کیونکہ صرف ہمارے افسانے میں سوز و گداز ہے۔ بالفاظِ دیگر اے محبوب تو صرف ہماری قدر کر کیونکہ ہمارے عشق میں خلوص اور سوز ہے۔ باقی اہلِ عالم کی طرف توجہ نہ کر۔ طوفان اور آبِ گداز میں رعایت ہے۔

وحشتِ بے ربطیِ پیچ و خمِ ہستی نہ پوچھ
ننگِ بالیدن ہیں، جوں موئے سرِ دیوانہ ہم

ہستی میں بڑے پیچ و خم ہیں بڑی بے ربطی ہے ایک وحشت کا عالم ہے۔ ہستی کی بے ربطی کا ایک نمونہ ہم ہیں۔ جیسے دیوانے کے سر کے بال اُلجھے اُلجھے گندے ہوتے ہیں اسی طرح ہم بھی ننگِ ہستی ہیں۔

(۱۱۳)

ازانجا کہ حسرت کشِ یار ہیں ہم
رقیبِ تمنائے دیدار ہیں ہم

ازانجا: اس وجہ سے۔ غالب رشک کے مضامین کے لئے مشہور ہیں۔ یہ شعر بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ ہمیں یار سے ملنے کی حسرت ہے۔ چاہتے ہیں کہ ہمارے سوا اور کوئی یار کا نہ ہو۔ ہمارے دل میں تمنائے دیدارِ یار ہے چونکہ اس تمنا کا تعلق یار سے ہے اس لئے ہم اسے اپنا رقیب سمجھنے لگے ہیں۔

رسیدن گلِ باغِ واماندگی ہے
عبث محفل آرائے رفتار ہیں ہم

منزل پر پہنچنا تھکن کے باغ کا پھول ہے یعنی تھکن پیدا کرنے والا ہے یا تکان کی انتہا ہے۔ پھر ہم بیکار ہی محوِ رفتار ہیں۔ جس کام کا نتیجہ تھکن ہو اس سے فائدہ؟ پہلے مصرع میں ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ منزل پر پہنچ کر ٹھہر جانا ایک قسم کی تھکن ہے۔ تھکن میں آدمی چلنے سے گھبراتا ہے۔ مکمل قطعِ رفتار مکمل واماندگی ہوگی اسی لئے گرمیِ رفتار بے کار ہے۔ اس تشریح میں رفتار سے مراد زندگی اور رسیدن سے مراد موت ہے۔

نفس ہو نہ معزولِ شعلہ درودن
کہ ضبطِ تپش سے شرر کار ہیں ہم

شعلہ درودن: شعلہ کی فصل کاٹنا۔ شرر کار: شرر بونے والا۔ ہم نے تڑپ اور سوز کو ضبط کر کے سینے میں شرر بو دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم شعلے کی کھیتی کاٹیں گے۔ شعلوں کی یہ پیداوار ہمارے سانس کو برطرف نہ کر دے یعنی شعلوں کی شدت سے کہیں جان ہی نہ جاتی رہے۔

تغافل کمیں گاہِ وحشت شناسی
نگہبانِ دل ہائے اغیار ہیں ہم

محبوب کا تغافل دراصل ایسی کمیں گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ عاشقوں کی وحشت کا پتہ چلانا چاہتا ہے۔ یعنی تغافل کرنے کی وجہ یہ ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ تغافل کے اثر سے کس کس کے دل میں وحشت پیدا ہوتی ہے جس کے دل میں وحشت ہوگی وہ عاشقِ صادق سمجھا جائے

گا۔ ہم رقیبوں کے دل کی نگہبانی کر رہے ہیں کہ کہیں ان میں وحشت کے آثار تو نہیں پیدا ہوئے اگر ایسا ہوا تو وہ بھی معتبر سمجھے جائیں گے۔

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن
بہار آفرینا، گنہ گار ہیں ہم

اے خدا ہم گلشن کو دیکھتے ہیں اور پھول توڑنے کی خواہش بھی کرتے ہیں۔ اے بہار کو پیدا کرنے والے واقعی ہم گنہ گار ہیں۔ کمال کا شعر ہے کس خوبی سے عذر پیش کیا ہے۔ خالقِ گلشن پر سارا الزام ڈال دیا ہے کہ تو نے باغ و بہار کیوں پیدا کئے۔ اب کسی کا دیکھنے اور چننے کو جی چاہے تو قصور اس کا ہے یا تیرا؟

نہ ذوقِ گریباں، نہ پروائے داماں
نگہ آشنائے گل و خار ہیں ہم

ہمیں نہ گریباں بچا کر رکھنے کا شوق ہے نہ دامن کی پروا ہے کیونکہ ہم گل اور خار کی نگاہ پہچانتے ہیں۔ گل یہ کہہ رہا ہے کہ کاہے کو گریباں کی فکر کرتے ہو آخر کار یہ چاک ہونا ہی ہے۔ خار یہ کہہ رہا ہے کہ دامن کی لاکھ پروا کرو میں اس میں اُلجھ کر رہوں گا۔

اسدؔ شکوہ کفر و دعا ناسپاسی
ہجومِ تمنا سے ناچار ہیں ہم

اسدؔ! میری تمنائیں بہت زیادہ ہیں۔ کچھ تمنائیں پوری ہو چکی ہیں اس لئے خدا سے شکوہ کرنا کفر ہے اور مزید مقصد برآری کیلئے دُعا مانگنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ مل چکا ہے اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ میں ان الزاموں کیلئے تیار ہوں کیونکہ میری آسودہ تمناؤں کے مقابلے میں ناآسودہ تمنائیں بہت زیادہ ہیں۔

(۱۱۴)

جس دم کہ جادہ وار ہو تارِ نفس تمام
پیمائشِ زمینِ رہِ عمر بس تمام

سانس کا تار راستے کی طرح ہے۔ چلتے چلتے راستہ ختم ہو جاتا ہے تو کام تمام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس کے تار کا پورا ہونا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر کے راستے کی پیمائش پوری ہو گئی یعنی سانس کا پورا ہونا راہِ عمر کا پورا ہونا ہے۔

کیا دے صدا اِکلفتِ گم گشتاں سے آہ
ہے سرمہ گردِ رہ، بہ گلوئے جرس تمام

سرمہ بہ گلو ہونا آواز کا ختم ہو جانا ہے۔ قافلے کے کچھ لوگ راستے میں کھو گئے ہیں۔ قافلے کے ساتھ جرس بجتا چلتا ہے لیکن چونکہ کچھ لوگ گم ہو گئے ہیں تو ان کے غم میں وہ خاموش ہے۔ راستے کی گرد نے جرس کیلئے سرمے کا کام کیا۔ یہ محض شاعرانہ خیال ہے۔ کہنا صرف یہی ہے کہ گم کردہ راہ لوگ ایسے بیش بہا تھے کہ جرس بھی ان کے بچھڑ جانے کا غم کر رہا ہے۔

ڈرتا ہوں کوچہ گردیِ بازارِ عشق سے
ہیں خارِ راہ، جوہرِ تیغِ عسس تمام

میں عشق کی کوچہ گردی سے گھبراتا ہوں کیونکہ اس کے راستے کے کانٹے، کوتوال کی تلوار کے جوہر کی طرح آزار رساں ہیں یعنی عشق کا راستہ بہت بلاؤں سے بھرا ہوا ہے۔ جوہر لکیر کی طرح ہوتا ہے اس لئے خار سے مشابہ ہے۔

اے بالِ اضطراب، کہاں تک فسردگی
یک پر زدن تپش میں ہے کارِ قفس تمام

اے میرے بے چینی کے پر تو کہاں تک افسردہ و بے جان بیٹھا رہے گا۔ ایک بار تڑپ کر پھڑپھڑانے میں قفس کا کام تمام ہو جائے گا یعنی قفس ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ یعنی اگر میں تڑپ کر کوشش کروں تو قفس بھی مجھے قید رکھنے میں ناکام رہ جائے گا۔

گزرا جو آشیاں کا تصور بہ وقتِ بند
مژگانِ چشمِ دام ہوئے، خار و خس تمام

میں جال میں پھنسا ہوا تھا۔ آس پاس کانٹے اور تنکے پڑے تھے۔ ایسے میں میں نے اپنے گھونسلے کا خیال کیا۔ خار و خس جال کی آنکھ میں پلک کی طرح ہو گئے۔ حلقۂ دام آنکھ کی طرح ہوتا ہے اور خار و خس پلک سے مشابہ ہوتے ہیں آنکھ اور پلک کا کام بصارت دینا ہے۔ خار و خس نے بھی میری چشمِ تصور کو مدد دی۔ یعنی خار و خس کو دیکھ کر آشیاں کی تصویر سامنے آگئی۔ آشیاں تنکوں ہی سے تو بنتا ہے۔

کرنے نہ پائے ضعف سے شورِ جنوں اسدؔ
اب کے، بہار کا یوں ہی گزرا برس تمام

عاشق کو جنوں میں پھرنا اور شور کرنا پسند ہے لیکن اس سال کی بہار میں اتنی کمزوری غالب تھی کہ اے اسد ہم اپنا مرغوب کھیل نہ کھیل سکے۔

(ن)

(۱۱۵)

خوش وحشتے کہ عرضِ جنونِ فنا کروں
جوں گردِ راہ، جامۂ ہستی قبا کروں

جامہ قبا کرنا: جامہ چاک کرنا۔ وہ وحشت کتنی اچھی ہے کہ جب میں فنا کا جنون پیش کروں یعنی جنون میں فنا ہو جاؤں اور اپنی ہستی کو گرد کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔

گر بعدِ مرگ وحشتِ دل کا گلہ کروں
موجِ غبار سے پرِ یک دشت وا کروں

اگر میں مرنے کے بعد وحشتِ دل کی شکایت کروں کہ زندگی بھر اس نے پریشان رکھا تو اس شکایت کے اظہار کی یہ صورت ہوگی کہ مرنے کے بعد میرا جسم خاک ہو جائے گا اور اس کی گرد اس طرح اڑتی اڑتی پھرے گی جیسے گرد کا پورا جنگل اُڑ رہا ہو۔ وحشت میں دشت میں گرد اُڑائی جاتی ہے اس لئے وحشت کا بیان کرنے کی بھی یہ صورت ہے کہ اپنی مٹی ایسے اُڑے جیسے خاک کا جنگل پھول کر اُڑ رہا ہے۔ شکایت سے دل میں غبار بھی آجاتا ہے۔ شاید موجِ غبار میں یہ اشارہ بھی موجود ہو کہ گلہ کی افراط غبار بن کر ظاہر ہو گئی۔

آ، اے بہارِ ناز کہ تیرے خرام سے
دستار گردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں

دوسرے مصرع سے تین مفہوم نکل سکتے ہیں۔ اے محبوب تو خرام کرکے آ تا کہ (۱) میں تیرے نقشِ پا کے چاروں طرف اپنی دستار رکھ دوں۔ دستار زمین پر رکھنا فرطِ عاجزی ہے۔ (۲) دستار میں پھول لگانا آرائشِ دستار ہے۔ تیرا نقشِ پا پھول کی طرح ہے میں دستار کو اس کے پاس لے جاتا ہوں تاکہ اسے چھو کر میری دستار میں گل آجائے۔ گل کون سا ہے؟ نقشِ پا کا۔ (۳) کسی شیخ، پیر یا بزرگ کی دستار بندی کی جاتی ہے۔ تیرا نقشِ پا بھی اتنا ہی بزرگ ہے اس کے گرد میں دستار باندھوں گا۔

خوش افتادگی کہ بہ صحرائے انتظار
جوں جادہ، گردِ رہ سے نگہ سرمہ سا کروں

افتادگی: عاجزی۔ سرمہ سا: سرمہ لگانے والی۔ وہ عاجزی کتنی اچھی ہے کہ انتظار

کے جنگل میں راہ پر مسلسل نظر گڑائے رہوں۔ میری آنکھوں میں گردِ راہ کا سرمہ لگ جائے اور اس سرمے سے میری نگاہ اسی طرح گرد آلود ہو جائے جیسے کہ راستہ ہوتا ہے۔ یعنی محبوب کے انتظار میں سرِ راہ بیٹھے ہیں اور دھول پھانک رہے ہیں۔ حالات پر اختیار نہیں۔ محبوب کا آنا اپنے بس میں نہیں لیکن راہِ محبوب کی گرد تو آنکھ کا سرمہ بن گئی ہے۔ اس لئے یہ عدمِ استطاعت کتنی اچھی ہے۔

صبر اور یہ ادا کہ دل آوے اسیرِ چاک
درد اور یہ کمیں کہ رہِ نالہ وا کروں

مجھے صبر کہاں۔ صبر نے تو یہ جال رکھا ہے کہ دل کو چاک میں اسیر کر دوں یعنی دل چاک چاک ہو جائے یہ اسی وقت ہوگا جب صبر نے منہ موڑ لیا ہوگا۔ درد اس فکر میں رہتا ہے کہ میں نالہ کرنے لگوں۔ گویا صبر نہیں ہے درد ہے۔

وہ بے دماغِ منتِ اقبال ہوں کہ میں
وحشت بہ داغِ سایۂ بالِ ہما کروں

میں بڑا بے دماغ ہوں۔ اقبال دنیوی کا احسان نہیں لے سکتا۔ اگر ہما کا پر مجھ پر سایہ ڈالنا چاہئے (جو بادشاہت کی بشارت ہے) تو مجھے یہ سایہ داغ معلوم ہوگا اور میں اس سے وحشت کرکے بھاگنا چاہوں گا۔ مجھے شوکت و اقبال حتیٰ کہ بادشاہی بالکل پسند نہیں۔

وہ التماسِ لذتِ بیداد ہوں کہ میں
تیغِ ستم کو پشتِ خمِ التجا کروں

یار مجھ پر ظلم کرتا ہے تو مجھے لذت ملتی ہے اس لئے میں ہمیشہ اس سے درخواست کرتا ہوں کہ اور ظلم کر۔ ستم کرنے والی تلوار میرے لئے ایسی ہے جیسے پشت خم کرکے قتل ہونے کی التجا کر رہا ہوں۔ اور تلوار میری التجا کی ترجمانی کر رہی ہے۔ یعنی تلوار کی ضرب کے لئے بہ اصرار التجا کر رہا ہوں۔

وہ رازِ نالہ ہوں کہ بہ شرحِ نگاہِ عجز
افشاں غبارِ سرمہ سے فردِ صدا کروں

زینت کیلئے کاغذ کو سونے، چاندی یا کسی رنگ کے پانی سے افشاں کر دیتے ہیں۔ افشاں کے نشانات غبار کہلاتے ہیں ایسے کاغذ کو افشاں غبار کہتے ہیں۔ سُرمہ آواز

کا دشمن ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نالے کا وہ راز ہوں کہ آواز کے کھنچنے پر سرمے کا غبار چھڑکوں گا یعنی آواز نہ نکالوں گا۔ کیوں؟ عاجزی کی نگاہ کی شرح کیلئے خاموش رہنا ہی بڑی عاجزی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ عاجزی کی وجہ سے میں قطعاً نالہ نہیں کر رہا۔ بالکل خاموش ہوں۔ اپنے نالے کو میں نے راز بنا رکھا ہے۔

(۱۱۶)

آنسو کہوں کہ آہ، سوارِ ہوا کہوں
ایسا عناں گسیختہ آیا کہ کیا کہوں

عناں گسیختہ: شتاب رو و مضطرب و سراسیمہ۔ میرا آنسو ہے کہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے۔ ایسا تیزی اور اضطراب میں آیا جیسے گھوڑا لگام تڑا کر بھاگ آیا ہو۔

اقبالِ کلفتِ دلِ بے مدعا رسا
اختر کو داغِ سایۂ بالِ ہما کہوں

دلِ بے مدعا رسا: وہ دل جو مدعا تک نہ پہنچ سکے یعنی ناکام رہے۔ میں اپنے ناکام دل کے درد و مصیبت کے اقبال کا کیا بیان کروں۔ ہما کے پروں کا سایہ پڑنا بادشاہت اور اقبال کی نشانی ہوتی ہے لیکن میرے لئے سایۂ پر ہما کیا ہے؟ صرف میری قسمت کا ستارہ۔ یہ ستارہ تاریک ہے اس لئے اسے پر ہما کا سایہ بلکہ سائے کا داغ کہنا مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ سایۂ ہما نیچے زمین پر پڑتا ہے۔ اخترِ سایۂ ہما نہیں ہو سکتا گویا اخترِ سیاہ کے علاوہ اور کوئی داغِ سایۂ ہما میرے پاس نہیں یعنی سایۂ ہما میری قسمت میں ہے ہی نہیں۔ صرف ایک کالا تارہ ہے اسے جو کچھ بھی سمجھ لیجئے۔

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا، مگر اسے
اب طائرِ پریدۂ رنگِ حنا کہوں

مہندی کا رنگ کچھ عرصہ کے بعد اُڑ جاتا ہے۔ غالب اسے طائرِ پریدہ سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ مجھے محبوب کا وصال نصیب نہ ہو سکا۔ یہ ایسے پرندے کی طرح ہے جو ہاتھ سے اُڑ گیا ہو۔ پرندہ بھی رنگِ حنا کا جو واقعی ہاتھ سے اُڑتا ہے۔

دز دیدنِ دلِ ستم آمادہ ہے محال
مژگاں کہوں کہ جوہرِ تیغِ قضا کہوں

محبوب کا دل ستم پر تُلا ہوا ہے۔ اس کے دل کو چرانا یا مائل کرنا ناممکن ہے۔ اس پر پلکوں کا پہرا ہے جو موت کی تلوار کا جوہر معلوم ہوتی ہیں۔ خزانے کے باہر تلوار بدست سپاہیوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ پلکوں کو جوہرِ تیغ سے تشبیہہ دینا مناسب ہے۔ ایسی خوفناک شے سے گُزر کر کون دلِ محبوب کو چرانے کی ہمت کرے۔

طرز آفرین نکتہ سرائیِ طبع ہے
آئینۂ خیال کو طوطی نما کہوں

طوطی کو بولنا سکھانے کیلئے آئینے کے سامنے بٹھاتے ہیں جس میں اس کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ پیچھے ایک آدمی بیٹھ کر بولتا ہے اور طوطی سمجھتی ہے کہ طوطیِ آئینہ بول رہی ہے۔ اس طرح طوطی کو نکتہ سرائی کی طرز سکھا دی جاتی ہے۔ آئینۂ خیال شاعر کی طبیعت کو طرح طرح کی نکتہ سرائی کے طریقے سکھاتا ہے اس لئے اسے بھی طوطی نما کیوں نہ کہا جائے یعنی تخیل شاعر کو نکتہ آرائی کی ترتیب دیتا ہے۔

غالب ہے رتبہ فہم تصور سے کچھ پرے
ہے عجزِ بندگی، کہ علی کو خدا کہوں

اس شعر میں حضرت علیؓ کے مرتبے میں عجیب مبالغہ کیا ہے۔ کہتے ہیں غالب حضرت علیؓ کا مرتبہ میرے تصور کی سمجھ سے کہیں آگے ہے۔ اگر میں اُن کو خُدا کہتا ہوں تو یہ ان کے واقعی مرتبے میں کمی ہے۔ میری بندگی کا عجز و قصور ہے کہ میں خُدا سے بڑی کسی ذی مرتبہ ذات کا تصور نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے صلاحیت ہوتی تو میں ان کے صحیح مرتبے کا درک کر سکتا جو یقیناً خُدا سے کچھ بلند ہے۔

(۱۱۷)

کسو کو زخود رفتہ کم دیکھتے ہیں
کہ آہو کو پابندِ رم دیکھتے ہیں

سچی بات یہ ہے کہ کوئی بھی صحیح معنی میں از خود رفتہ نہیں۔ ہر شخص کو ہوش ہے ہر شخص رسم و رواج یا کسی اور طرح کی قید میں بند ہے اور شعوری طور پر ان کی پابندی کرتا ہے۔ ظاہرا ہرن ہر وقت بھاگتا پھرتا ہے لیکن وہ بھی رمیدن یعنی بھاگ دوڑ کا پابند ہے یعنی ایک مقررہ اصول کی ضابطے کے ساتھ پابندی کرتا ہے اس لئے وہ زخود رفتہ نہ ہوا۔

خطِ لختِ دل یک قلم دیکھتے ہیں
مژہ کو جواہر رقم دیکھتے ہیں

یک قلم : بالکل، قطعی۔ آنسوؤں میں ہم لختِ دل کی لکیر دیکھتے ہیں یعنی آنسوؤں کے ساتھ دل کے ٹکڑے آکر پلکوں پر رُک جاتے ہیں۔ اس طرح ہماری پلک صحیح معنی میں جواہر رقم ہوگئی ہے جواہر رقم خوشنویسوں کو خطاب یا لقب دیا جاتا ہے یعنی ان کی لکھائی جواہر کی طرح چمکتی ہے۔ پلکوں پر لختِ دل جواہر کی طرح ہے اس لئے پلک جواہر رقم ہوئی۔

(۱۱۸)

آئینہ دام کو سبزے میں چھپاتا ہے عبث
کہ پری زادِ نظر، قابلِ تسخیر نہیں

پریوں اور جنوں کو تسخیر کرکے شیشے میں بند کردینا پرانی روایت ہے۔ اس شعر میں نظر کو پری زاد سے تشبیہہ دی ہے۔ آئینے پر جب نظر ڈالتے ہیں تو گویا نظر آئینے میں پھنس جاتی ہے لیکن جوں ہی ہم نظر ہٹاتے ہیں تو وہ آزاد ہوجاتی ہے۔ اس طرح یہ طے ہوگیا کہ نظر آئینے کے لئے قابلِ تسخیر نہیں۔ آئینے کی کوشش یہی رہتی ہے کہ وہ دیکھنے والے کی نظر کو اپنا پابند کرکے رکھے۔ اس طرح آئینہ نظر پہ دام پھینکتا ہے۔ یہ دام جوہرِ سبز میں پوشیدہ ہے تاکہ نظر اس کی طرف آنے میں پس و پیش نہ کرے۔ جوہرِ آئینہ کی مماثلت دام سے ہوتی ہے اور زنگار کے سبب یہ سبزی مائل ہوجاتا ہے۔

مثلِ گل، زخم ہے میرا بھی سناں سے توام
تیرا ترکش ہی کچھ آبستنیِ تیر نہیں

تیر کا ظرف بننا شان کی بات ہے۔ محبوب کو فخر ہوسکتا ہے کہ اس کا ترکش تیر سے حاملہ ہے یعنی ایسے رحم کی طرح ہے جس میں تیر کا جنین موجود ہے۔ کہتے ہیں میرا زخم بھی تیری سناں کے ساتھ جڑواں بچے کی طرح چپکا ہوا ہے بالکل اسی طرح جیسے پھول زخمی ہوتا ہے اور اس کے نیچے کا ڈنٹھل یا شاخ اس کے سناں کی طرح چبھی ہوتی ہے۔ آبستنی : حاملہ

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا، غالب
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

گلشنِ کشمیر میں جو فرحت، تازگی اور دل کشی ہے وہی میر کے اشعار میں ہے۔

(۱۱۹)

جس جا کہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں
دیوانگاں کو واں ہوسِ خانماں نہیں

دیوانے اپنا مکان صرف اس جگہ بنانا چاہیں گے جہاں سیلاب کے آنے کا امکان ہو۔ تاکہ وہ مکان کی بنیاد کو گرا سکے۔ آخر دیوانوں کو ویرانی عزیز ہے جس جگہ مصیبتوں کے ریلے کا امکان نہ ہو وہاں دیوانے مکان بنانا پسند نہ کریں گے۔ وہ مصائب پسند ہیں۔

کس جرم سے ہے چشم تجھے حسرتِ قبول
برگِ حنا مگر مژہ، خوں فشاں نہیں

چشم : توقع۔ مگر : سوائے۔ شعر کی نثری ترتیب کچھ پھیلا کر یوں ہوگی۔ "اے دوست تجھے کس جرم سے حسرتِ قبول کی چشم ہے۔ برگِ حنا خوں فشاں مژہ کے علاوہ اور کچھ نہیں"۔ زار زار رونے والی پلکوں سے خون ٹپکتا ہے۔ برگِ حنا کو کوٹ لیا جائے تو وہ سرخ رنگ ٹپکانے لگتا ہے یعنی خوں فشاں پلکوں سے مشابہ ہوجاتا ہے۔ انسان کوئی جرم کرتا ہے اور پھر انفعال میں اس کی معذرت کی حسرت کرتا ہے تو زار زار روتا ہے۔ گویا خوں فشاں پلکیں اس بات کی نشانی ہیں کہ ہمارا انفعال قبول ہو۔ اے دوست تونے اپنے ہاتھ پاؤں پر برگِ حنا کا ضماد جو لگایا ہے یہ خوں فشاں پلکوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ تو کیا تو بھی کسی جرم کا اعتراف کرنا چاہتا ہے۔ اور احساسِ جرم میں اشکِ خوں بہا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جرم حنا کے ذریعے اپنی زیبائش بڑھانے اور اس طرح عشاق کو قتل کرنے کا ہے۔

ہر رنگِ گردش، آئینہ ایجادِ درد ہے
اشکِ سحاب جز بہ وداعِ خزاں نہیں

آئینہ ایجادِ درد : درد کی آئینہ دار یعنی درد کا اظہار۔ کسی طرح کی گردشِ ایام یا تبدیلی ہو موجبِ تکلیف ہے۔ بادل سے پانی برستا ہے تو یہ اس بات پر اشک افشانی ہے کہ خزاں رخصت ہوجائے گی۔ بارش سے بہار آجاتی ہے اور خزاں ختم ہوجاتی ہے۔ لہٰذا خزاں کے بہار میں بدلنے پر خوشی ہونی چاہیئے۔ لیکن شاعر کا کمال یہ ہے کہ اس نے یہ ثابت کیا کہ کسی قسم کی تبدیلی کیوں نہ ہو باعثِ پریشانی ہے۔

جز عجز کیا کروں بہ تمنائے بے خودی
طاقت حریفِ سختیِ خوابِ گراں نہیں

مجھے بے خودی یعنی خود فراموشی کی تمنا ہے۔ بےخودی نام ہے ایک گہری نیند کا۔ نیند کے ساتھ توانائی ممکن نہیں۔ کمزور آدمی ہی خوابِ گراں میں اسیر ہو سکتا ہے۔ اس لئے بے خودی اور خوابِ گراں کے غلبے کے بعد میں دوسرے امور میں عجز کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ شعر کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مجھے بے خودی کی تمنا ہے لیکن بے خودی اختیار نہیں کر سکتا۔ اس خواہش کو پورا کرنے میں عاجز ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ خوابِ گراں کا بوجھ اُٹھا سکوں۔

عبرت سے پوچھ دردِ پریشانیِ نگاہ
یہ گردِ وہم جز بسرِ امتحاں نہیں

دُنیا میں نگاہِ عقل پریشان ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے موجودات کو دیکھ کر وہم ہونے لگتا ہے۔ عقل کا اس طرح پریشان ہونا عبرت کی بات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی میدان کا جائزہ لینا چاہے اور وہاں اتنی گرد اُڑ رہی ہو کہ نگاہ کو دکھائی ہی نہ دے سکے کہ میدان کی اصلیت کیا ہے۔ ایسی صورت میں نگاہ پریشان ہو جائے گی انسان کی نگاہِ فہم کیلئے موجودات اور تعینات کی کثرت محض امتحان کے لئے ہے۔

گل غنچگی میں غرقۂ دریائے رنگ ہے
اے آگہی، فریبِ تماشا کہاں نہیں

شعر کے دو معنی ممکن ہیں: (۱) پھول جب تک غنچہ ہے تو رنگ میں ڈوبا ہوا ہے یعنی بہت بارونق ہے لیکن اسے دُنیا کے نظارے کی ہوس ہوتی ہے اور وہ آنکھ کھول لیتا ہے اور بکھر جاتا ہے۔ گویا اس نے خواہشِ دید کے ہاتھوں فریب کھایا۔ وہ چاہتا تھا کہ آگہی ملے لیکن اسے بے رونقی اور افسردگی ملیں۔ آگہی کو خطاب اس لئے کیا ہے کہ ہوسِ دید نے آگہی کا فریب دیا تھا۔ (۲) پھول غنچگی کی حالت میں بہت حسین ہے۔ دیکھنے والوں کو نظر بازی یہ فریب دیتی ہے کہ جب کھل کر پھول بن جائے گا تو اس کا رنگ و رونق دوبالا ہو جائے گا اور جنتِ نگاہ ہو جائے گا لیکن یہ توقع پوری نہیں ہوتی۔ پھول کھلنے کے بعد رفتہ رفتہ بے رنگ و رونق ہو جاتا ہے۔ اپنی دانش مندی سے خطاب کر کے اس فریب سے متنبہ کر رہے ہیں۔

برقِ بجانِ حوصلہ آتش فگن اسد؟
اے دل فسردہ طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں؟

میری رائے میں دونوں مصرعوں کے آخر میں سوالیہ نشان بنا دیا جائے تو معنی بڑے ہموار ہو جائیں گے۔ برق بجانِ حوصلہ آتش فگن: برقِ آتش فگن بر جانِ حوصلہ۔ وہ بجلی جو حوصلہ کی جان پر آگ برسا رہی ہے یعنی حوصلے کو ختم کر رہی ہے۔ اے اسد کیا تیرے حوصلے پر کوئی بجلی گر رہی ہے جو تو اتنا شور کر رہا ہے۔ اے پژمردہ دل والے کیا تو فغاں کو ضبط نہیں کر سکتا۔

(۱۴۰)

ہے ترحم آفریں آرائشِ بیداد یاں
اشکِ چشمِ دام ہے، پروانۂ صیاد یاں

صیاد چاہتا ہے کہ کچھ پرندوں کو پکڑ کر قفس میں بند کیا جائے اور مکان کی آرائش کے لئے جا بجا ٹانگا جائے۔ لیکن اس ظلم بھری آرائش کو دیکھ کر جذبۂ ترحم پیدا ہوتا ہے۔ صیاد جال کے حلقوں میں جو دانے ڈالے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چشمِ دام میں آنسو آرہے ہیں کیونکہ پرندوں کو گرفتار کیا جانے والا ہے۔ حلقۂ دام کو چشمِ دام کہتے ہیں۔

ہے گدازِ موم، اندازِ چکیدن ہائے خوں
نیشِ زنبورِ عسل ہے نشترِ فصاد یاں

مشہور شعر ہے کہ

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

مگس باغ سے جا کر غذا لائے گی چھتہ بنائے گی اس سے موم حاصل ہوگا۔ شمع بنے گی جلے گی اور پروانہ کا خون ہوگا۔ غالب نے بھی ایسا ہی مضمون پیش کیا ہے۔ یہاں بجائے پروانے کے شمع کا خون کیا ہے۔ شہد کی مکھی نے چھتا بنایا موم نکالا گیا۔ شمع بنا کر جلائی گئی جس سے موم کے قطرے پگھل پگھل کر گرے۔ یہ منظر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے فصاد نشتر لگا کر کسی کے بدن میں سے خون کے قطرے ٹپکائے۔ اس صورتِ حال کی علتِ اول مگس ہے جس نے غذا حاصل کی۔ گویا شہد کی مکھی کا ڈنک فصد کرنے والے کا نشتر ہے۔ زنبورِ عسل: شہد کی مکھی۔ فصاد: فصد کرنے والا۔

ناگوار ہے ہمیں احسانِ صاحب دولتاں
ہے زرِ گل بھی نظر میں جوہرِ فولاد یاں

ہمیں اہلِ زر کا احسان لینا ناگوار ہے۔ زر تو اگر پھول میں بھی ہو تو میری نظر میں وہ لوہے سے زیادہ نہیں۔ زرِ گل پھول کا زیرہ ہوتا ہے اس کی مشابہت جوہرِ فولاد سے ہے جو کبھی دھبوں کی شکل میں اور کبھی خطوط کی شکل میں ہوتا ہے۔

جنبشِ دل سے ہوئے ہیں عقدہ ہائے کار وا
کم ترین مزدورِ سنگیں دست ہے فرہادیاں

جنبشِ دل: دل کا جوش بالخصوص وہ جو عشق میں ہو۔ سنگیں دست: کاہل۔ کے ساتھ کام کرنے والا۔ جوشِ دل سے آدمی بڑے بڑے مشکل کام اپنے ذمے لے کر انھیں سر انجام دیتا ہے۔ جوشِ دل والا کاہل سے کاہل مزدور بھی فرہاد کی طرح بیستون تراش سکتا ہے۔ آخر فرہاد کا سارا حوصلہ بھی جوشِ دل کی بدولت تھا۔ صائب نے اپنے ایک شعر میں فرہاد کو سنگیں دست کہا ہے ؎

بیستوں را تیشہ ام در حملۂ اول گداخت
نیست با من نسبتے فرہادِ سنگیں دست را

قطرہ ہائے خونِ بسمل زیبِ داماں ہے اسد
ہے تماشا کردنی گل چینیِ جلادیاں

اے اسد، جلاد نے کس کو بسمل کیا۔ اس کے خون کے قطرے اس کے دامن پر پڑے اور ان سے پھول بوٹے بن گئے۔ صیاد کا یہ اندازِ گل چینی قابلِ دید ہے۔

(۱۲۱)

سرشک آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں
رہے یاں شوخیِ رفتار سے پا آستانے میں

قطرہ زن: تیز چلتے ہوئے یا بھاگتے ہوئے۔ پا رہنا: پاؤں کا تھک جانا۔ آنسو پلکوں سے جاتے وقت پریشان انداز سے بھاگ رہا تھا۔ تیزیِ رفتار کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھر کی چوکھٹ ہی پر پہنچا تھا کہ پاؤں تھک گئے اور یہ گر پڑا یعنی پلکوں سے ٹپک گیا۔

ہجومِ مژدۂ دیدار و پروازِ تماشا ہا
گلِ اقبالِ خس ہے چشمِ بلبل آشیانے میں

پروازِ تماشا ہا: تماشے کی آرائش۔ گلِ اقبالِ خس: کسی پودے کے اوپر اچھا سا پھول آ جائے تو وہ اس کا گلِ اقبال ہوا یا شاید گلِ دستار کو بھی گلِ اقبال کہیں گے۔ خس پر پھول آ جائے تو وہ خس کا گلِ اقبال ہوا۔ آشیانے میں بلبل کو خوشخبری پہنچتی ہے کہ پھول کا دیدار ہوگا۔ مژدہ بہت زور کا ہے اس لیے تماشے کی تواضع کی تیاری کی جا رہی ہے۔ چونکہ دیدار چشمِ بلبل سے ہوگا اس لیے آشیاں کے بیچ چشمِ بلبل خسِ آشیاں کا گلِ اقبال بن گئی ہے۔

ہوئی یہ بے خودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے
کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں

قفلِ زنگ آلودہ: وہ تالا جو کھل نہیں سکتا۔ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر اسے نطقِ انسانی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ آئینہ خانے میں طوطی کا تالے کی طرح بند رہ جانا اس کے مبہوت یا شرمندہ ہونے کی نشانی ہے۔ شعر کے دو معنی یوں ہو سکتے ہیں۔ (۱) تیرے جلوے سے میری آنکھ اور زبان دونوں پر بے خودی طاری ہو گئی۔ میں منہ سے ایک لفظ نہ نکال سکا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تیرے حضور خوب بولتا حالِ دل کہتا لیکن خاموشی ایسی ہی الٹی بات تھی جیسے آئینہ خانے میں طوطی کا خاموش رہ جانا۔ (۲) آئینہ خانے میں تو بھی آیا اور طوطی بھی۔ تیرے جلوے کو دیکھ کر طوطی کی چشم و زباں پر ایسی بے خودی چھائی کہ اس کی بولتی بند ہو گئی اور وہ زنگ آلودہ تالے کی طرح کھل نہ سکی۔

ترے کوچے میں ہے مشاطۂ واماندگی قاصد
پرِ پرواز، زلفِ ناز ہے ہدہد کے شانے میں

واماندگی: تھکن۔ شانہ: ہدہد کے سر کی کلغی۔ ہدہد کو شانہ سر بھی کہتے ہیں۔ ہدہد سے مراد قاصد ہے کیونکہ ہدہد حضرت سلیمان کا قاصد تھا۔ اے دوست تیرے کوچے میں پہنچ کر قاصد اپنی تھکن کیلئے مشاطہ کا کام کرنے لگتا ہے۔ ہدہد کا پرِ پرواز ہدہد کے شانے میں زلف بن جاتا ہے یعنی تیرے کوچے کی ہوا میں یہ اثر ہے کہ ہدہد کی تھکن دور ہو جاتی ہے اور اس کی ہیئتِ ظاہری میں ایک سنورنے اور ناز کا انداز آ جاتا ہے۔

کجا معزولیِ آئینہ؟ کو ترکِ خود آرائی؟
نمد در آب ہے اے سادہ پرکار اس بہانے میں

نمد در آب داشتن: مکر و حیلہ کرنا۔ سادہ پرکار: جو شخص بظاہر سیدھا سادہ ہو لیکن

دراصل پہلا پرزہ ہو۔ کہنا یہ ہے محبوب سے۔ اے دوست تو کہتا تھا کہ تو نے آئینہ دیکھنا اور خود آرائی ترک کر دی ہے تو ایسا کہاں کیا ہے۔ آئینے کو کہاں دور کیا ہے۔ تیرا یہ قول محض مکر و حیلہ ہے

بہ عکسِ عجزِ ابروئے مہِ نو حیرت ایجا ہے
کہ یاں گم کرد جبیں سجدہ فرسا آستانے میں

ابرو سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ہلال کی مشابہت ابرو سے ہے۔ یہ جمالِ الٰہی سے حیران ہو کر انسان کو اشارہ کر رہا ہے کہ عاجزی کا اظہار کرنا ہے تو آستانۂ خدا پہ جبیں کا رگڑنا کافی نہیں بلکہ اس حد تک رگڑو کہ جبیں کا وجود ہی ختم ہو جائے یعنی اس کا احساس ہی جاتا رہے۔ ہلال کی یہی صورت ہے وہ محض ابرو ہے۔ اس نے جبیں گم کر دی ہے۔

(۱۲۴)

فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوقِ کشتن میں
ہوئے ہیں بخیہ ہائے زخم، جوہر تیغِ دشمن میں

میرے غم خواروں نے قاتل میں قتل و خون کا شوق اور بڑھا دیا۔ اُنہوں نے میرے زخم میں ٹانکے لگا دیے تھے ان ٹانکوں کو دیکھ کر قاتل اور پُر جوش ہو کر حملہ آور ہو رہا ہے گویا بخیۂ زخم محبوب کی تلوار کا جوہر بن گیا اور اس نے تلوار کو اور فعّال کر دیا۔ بخیہ کی مشابہت جوہرِ تیغ سے ہے۔

تماشا کردنی ہے لطفِ زخمِ انتظار اے دل
سوادِ داغِ مرہم، مردمک ہے چشمِ سوزن میں

شعر میں بڑے پیچاک ہیں۔ عاشق کے زخم لگا ہے ضرورت یہ ہے کہ اس میں سوئی سے ٹانکے لگائے جائیں اور مرہم لگایا جائے۔ علاج کا انتظار کرنا خود ایک زخم ہے لیکن زخمِ انتظار میں ایک لطف ہے۔ مرہم اور علاج کے فراہم نہ ہونے سے ہمارے دل پر داغِ محرومی ہو گیا ہے۔ داغ میں سیاہی ہوتی ہے۔ آنکھ کی پتلی بھی سیاہ ہوتی ہے۔ سوئی کے ناکے کو فارسی میں چشمِ سوزن کہتے ہیں۔ داغِ محرومیِ مرہم کی سیاہی چشمِ سوزن کی پتلی بن گئی ہے یعنی چشمِ سوزن کی آمد کا اہتمام ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ہمیں مرہم اور بخیہ گری کے نہ ہونے کا داغ ہے۔ لیکن یہ داغ اس بات کی بشارت دیتا ہے کہ جلدی سوئی آ کر زخم میں ٹانکے لگائے گی۔ اس طرح علاج کے انتظار کی تکلیف میں بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہے۔

دل و دین و خرد تاراجِ نازِ جلوہ پیرائی
ہوا ہے جوہرِ آئینہ خیلِ مور خرمن میں

محبوب نے آئینہ دیکھ کر آرائش کی اور اس کے بعد ناز کے ساتھ اپنا جلوہ دکھایا۔ اس سے ہمارا دل، مذہب اور عقل سب برباد ہو گئے۔ جس طرح اناج کے کسی ڈھیر میں چیونٹیوں کا جھنڈ داخل ہو جائے اور اناج کو برباد کر دے وہی صورت جلوہ پیرائی سے دل و دین و خرد کے خرمن میں ہوئی ہے۔ اس جلوہ پیرائی کا ذمہ دار آئینہ ہے گویا جوہرِ آئینہ چیونٹیوں کی فوج ہے۔ جوہر ذرّوں اور نقطوں کی شکل میں ہوتا ہے اور اسے چیونٹیوں سے مشابہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۲۳)

پانو میں جب وہ حنا باندھتے ہیں
میرے ہاتھوں کو جُدا باندھتے ہیں

جب اپنے پانوں میں مہندی لگاتے ہیں تو میرے ہاتھوں کو بندھوا دیتے ہیں۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ میں ان کے خوش نما پاؤں کی بلائیں نہ لوں دوسرے یہ کہ میں پاؤں کو دیکھ کر تڑپ کر ہاتھوں سے سینہ کاوی نہ کرنے لگوں۔

حُسنِ افسردہ دلی ہا رنگیں
شوق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

فارسی کے دو محاورے ہیں۔ پا در حنا بستن: پاؤں کو چلنے سے باز رکھنا۔ پا در حنا داشتن: پاؤں مجروح ہو جانا۔ پہلے مفہوم کے لحاظ سے عشق سست رو اور غیر فعّال ٹھہرتا ہے۔ دوسرے مفہوم میں عشق کو مجروح پا کہا گیا ہے۔ خواہ کوئی بھی معنی لیے جائیں عشق کی افسردہ دلی میں رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ افسردہ دلی میں ایک حُسن ہے اور وہ حنا کے تعلق سے رنگین ہے۔

تیرے بیمار پہ ہیں فریادی
وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ہیں

جو عطّار بیمارِ عشق کی دوا باندھتے ہیں وہ فریاد کر رہے ہیں۔ روز روز دوا کی پڑیا باندھتے تنگ آ گئے ہیں یا پھر اُنھیں دکھائی دے رہا ہے کہ یہ مریض بچنے والا نہیں اس لیے وہ آہ و شیون کر رہے ہیں۔

قید میں بھی ہے اسیری، آزاد
چشمِ زنجیر کو وا باندھتے ہیں

ناگوار ہے ہمیں احسانِ صاحب دولتاں
ہے زرِ گل بھی نظر میں جوہرِ فولاد یاں

ہمیں اہلِ زر کا احسان لینا ناگوار ہے۔ زر تو اگر پھول میں بھی ہو تو میری نظر میں وہ لوہے سے زیادہ نہیں۔ زرِ گل پھول کا زیرہ ہوتا ہے اس کی مشابہت جوہرِ فولاد سے ہے جو کبھی دھبّوں کی شکل میں اور کبھی خطوط کی شکل میں ہوتا ہے۔

جنبشِ دل سے ہوئے ہیں عقدہ ہائے کار وا
کم تریں مزدورِ سنگیں دست ہے فرہاد یاں

جنبشِ دل: دل کا جوش بالخصوص وہ جو عشق میں ہو۔ سنگیں دست: کاہلی کے ساتھ کام کرنے والا۔ جوشِ دل سے آدمی بڑے بڑے مشکل کام اپنے قدمے سے کر انھیں سرانجام دیتا ہے۔ جوشِ دل والا کاہل سے کاہل مزدور بھی فرہاد کی طرح بیستوں تراش سکتا ہے۔ آخر فرہاد کا سارا حوصلہ بھی جوشِ دل کی بدولت تھا۔ صائب نے اپنے ایک شعر میں فرہاد کو سنگیں دست کہا ہے ؎

بیستوں را تیشہ ام در حملۂ اوّل گداخت
نیست بامن نسبتے فرہادِ سنگیں دست را

قطرہ ہائے خونِ بسمل زیبِ داماں ہے اسد
ہے تماشا کردنی گل چینیِ جلّاد یاں

اے اسد، جلّاد نے کس کو بسمل کیا۔ اس کے خون کے قطرے اس کے دامن پر پڑے اور ان سے پھول بوٹے بن گئے۔ صیاد کا یہ اندازِ گل چینی قابلِ دید ہے۔

(۱۲۱)

سرشک آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں
رہے یاں شوخیِ رفتار سے 'پا' آستانے میں

قطرہ زن: تیز چلتے ہوئے یا بھاگتے ہوئے۔ پا رہنا: پاؤں کا تھک جانا۔ آنسو پلکوں سے جاتے وقت پریشان انداز سے بھاگ رہا تھا۔ تیزیِ رفتار کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھر کی چوکھٹ ہی پر پہنچا تھا کہ پاؤں تھک گئے اور یہ گر پڑا یعنی پلکوں سے ٹپک گیا۔

ہجومِ مژدۂ دیدار و پروازِ تماشا ہا
گلِ اقبالِ خس ہے چشمِ بلبل آشیانے میں

پروازِ تماشا ہا: تماشے کی آرائش۔ گلِ اقبالِ خس: کسی پودے کے اوپر اچھا سا پھول آجائے تو وہ اس کا گلِ اقبال ہوا یا شاید گلِ دستار کو بھی گلِ اقبال کہیں گے۔ خس پر پھول آجائے تو وہ خس کا گلِ اقبال ہوا۔ آشیانے میں بلبل کو خوشخبری پہنچتی ہے کہ پھول کا دیدار ہوگا۔ مژدہ بہت زور کا ہے اس لئے تماشے کی تواضع کی تیاری کی جا رہی ہے۔ چونکہ دیدار چشمِ بلبل سے ہوگا اس لئے آشیاں کے بیچ چشمِ بلبل خسِ آشیاں کا گلِ اقبال بن گئی ہے۔

ہوئی یہ بے خودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے
کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں

قفلِ زنگ آلودہ: وہ تالا جو کھل نہیں سکتا۔ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر اسے نطقِ انسانی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ آئینہ خانے میں طوطی کا تالے کی طرح بند رہ جانا اس کے مبہوت یا شرمندہ ہونے کی نشانی ہے۔ شعر کے دو معنی یوں ہو سکتے ہیں۔ (۱) تیرے جلوے سے میری آنکھ اور زبان دونوں پر بے خودی طاری ہوگئی۔ میں منہ سے ایک لفظ نہ نکال سکا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تیرے حضور خوب بولتا حالِ دل کہتا لیکن خاموشی ایسی ہی اُلٹی بات تھی جیسے آئینہ خانے میں طوطی کا خاموش رہ جانا۔ (۲) آئینہ خانے میں تو بھی آیا اور طوطی بھی۔ تیرے جلوے کو دیکھ کر طوطی کی چشم و زباں پر ایسی بے خودی چھائی کہ اس کی بولتی بند ہوگئی اور وہ زنگ آلودہ تالے کی طرح کھل نہ سکی۔

ترے کوچے میں ہے مشاطۂ واماندگی قاصد
پرِ پرواز، زلفِ ناز ہے ہدہد کے شانے میں

واماندگی: تھکن۔ شانہ: ہدہد کے سر کی کلغی۔ ہدہد کو شانہ سر بھی کہتے ہیں۔ ہدہد سے مراد قاصد ہے کیونکہ ہدہد حضرت سلیمان کا قاصد تھا۔ اے دوست تیرے کوچے میں پہنچ کر قاصد اپنی تھکن کیلئے مشاطہ کا کام کرنے لگتا ہے۔ ہدہد کا پرِ پرواز ہدہد کے شانے میں زلف بن جاتا ہے یعنی تیرے کوچے کی ہوا میں یہ اثر ہے کہ ہدہد کی تھکن دور ہو جاتی ہے اور اس کی ہیئتِ ظاہری میں ایک سنورنے اور ناز کا انداز آجاتا ہے۔

کجا معزولیِ آئینہ؟ کو ترکِ خود آرائی؟
نم در آب ہے، اے سادہ پُرکار اس بہانے میں

نم در آب داشتن: مکر و حیلہ کرنا۔ سادہ پُرکار: جو شخص بظاہر سیدھا سادہ ہو لیکن

در اصل پیدا پژمردہ ہو۔ کہنا یہ ہے محبوب سے۔ اے دوست تو کہتا تھا کہ تو نے آئینہ دیکھنا اور خود آرائی ترک کر دی ہے تو ایسا کہاں کیا ہے۔ آئینے کو کہاں دور کیا ہے۔ تیرا یہ قول محض مکر و حیلہ ہے

بہ عکسِ عجزِ ابروئے مہ نو حیرت ایجا ہے

کہ یاں گم کر جبینِ سجدۂ فرسا آستانے میں

ابرو سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ ہلال کی مشابہت ابرو سے ہے۔ یہ جمالِ الٰہی سے حیران ہو کر انسان کو اشارہ کر رہا ہے کہ عاجزی کا اظہار کرنا ہے تو آستانۂ خدا پہ جبین کا رگڑنا کافی نہیں بلکہ اس حد تک رگڑو کہ جبین کا وجود ہی ختم ہو جائے یعنی اس کا احساس ہی جاتا رہے۔ ہلال کی یہی صورت ہے وہ محض ابرو ہے۔ اس نے جبین گم کر دی ہے۔

(۱۴۴)

فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوقِ کشتن میں

ہوئے ہیں بخیہ ہائے زخم، جوہر تیغِ دشمن میں

میرے غم خواروں نے قاتل میں قتل و خون کا شوق اور بڑھا دیا۔ اُنھوں نے میرے زخم میں ٹانکے لگا دیے تھے ان ٹانکوں کو دیکھ کر قاتل اور پُر جوش ہو کر حملہ آور ہو رہا ہے گویا بخیۂ زخم محبوب کی تلوار کا جوہر بن گیا اور اس نے تلوار کو اور فعّال کر دیا۔ بخیہ کی مشابہت جوہرِ تیغ سے ہے۔

تماشا کردنی ہے لطفِ زخم انتظار اے دل

سوادِ داغِ مرہم، مردمک ہے چشمِ سوزن میں

شعر میں بڑے پیچاک ہیں۔ عاشق کے زخم لگا ہے ضرورت یہ ہے کہ اس میں سوئی سے ٹانکے لگائے جائیں اور مرہم لگایا جائے۔ علاج کا انتظار کرنا خود ایک زخم ہے لیکن زخم انتظار میں ایک لطف ہے۔ مرہم اور علاج کے فراہم نہ ہونے سے ہمارے دل پر داغِ محرومی ہو گیا ہے۔ داغ میں سیاہی ہوتی ہے۔ آنکھ کی پتلی بھی سیاہ ہوتی ہے۔ سوئی کے ناکے کو فارسی میں چشمِ سوزن کہتے ہیں۔ داغِ محرومیِ مرہم کی سیاہی چشمِ سوزن کی پتلی بن گئی ہے یعنی چشمِ سوزن کی آمد کا اہتمام ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ہمیں مرہم اور بخیہ گری کے نہ ہونے کا داغ ہے۔ لیکن یہ داغ اس بات کی بشارت دیتا ہے کہ جلدی سوئی آ کر زخم میں ٹانکے لگائے گی۔ اس طرح علاج کے انتظار کی تکلیف میں بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہے۔

دل و دین و خرد تاراجِ نازِ جلوہ پیرائی

ہوا ہے جوہرِ آئینہ خیلِ مور، خرمن میں

محبوب نے آئینہ دیکھ کر آرائش کی اور اس کے بعد ناز کے ساتھ اپنا جلوہ دکھایا۔ اس سے ہمارا دل، مذہب اور عقل سب برباد ہو گئے۔ جس طرح اناج کے کسی ڈھیر میں چیونٹیوں کا جھنڈ داخل ہو جائے اور اناج کو برباد کر دے وہی صورت جلوہ پیرائی سے دل و دین و خرد کے خرمن میں ہوئی ہے۔ اس جلوہ پیرائی کا ذمہ دار آئینہ ہے گویا جوہرِ آئینہ چیونٹیوں کی فوج ہے۔ جوہر ذروں اور نقطوں کی شکل میں ہوتا ہے اور اسے چیونٹیوں سے مشابہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۴۳)

پانو میں جب وہ حنا باندھتے ہیں

میرے ہاتھوں کو جُدا باندھتے ہیں

جب اپنے پانوں میں مہندی لگاتے ہیں تو میرے ہاتھوں کو بندھوا دیتے ہیں۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ میں ان کے خوش نما پاؤں کی بلائیں نہ لوں دوسرے یہ کہ میں پاؤں کو دیکھ کر تڑپ کر ہاتھوں سے سینہ کاوی نہ کرنے لگوں۔

حُسنِ افسردہ دلی ہا رنگین

شوق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

فارسی کے دو محاورے ہیں۔ پا در حنا بستن: پاؤں کو چلنے سے باز رکھنا۔ پا در حنا داشتن: پاؤں مجروح ہو جانا۔ پہلے مفہوم کے لحاظ سے عشق سُست رو اور غیر فعّال ٹھہرتا ہے۔ دوسرے مفہوم میں عشق کو مجروح پا کہا گیا ہے۔ خواہ کوئی بھی معنی لیے جائیں عشق کی افسردہ دلی میں رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ افسردہ دلی میں ایک حُسن ہے اور وہ حنا کے تعلق سے رنگین ہے۔

تیرے بیمار پہ ہیں فریادی

وہ جو کاغذ میں دوا باندھتے ہیں

جو عطّار بیمارِ عشق کی دوا باندھتے ہیں وہ فریاد کر رہے ہیں۔ روز روز دوا کی پڑیا باندھتے تنگ آ گئے ہیں یا پھر اُنھیں دکھائی دے رہا ہے کہ یہ مریض بچنے والا نہیں اس لیے وہ آہ و شیون کر رہے ہیں۔

قید میں بھی ہے اسیری، آزاد

چشمِ زنجیر کو وا باندھتے ہیں

اسیری بمعنی : اسیر جسے اسیر سمجھا جاتا ہے وہ بھی آزاد ہوتا ہے۔ ثبوت ؛ حلقۂ زنجیر کو چشم زنجیر کہتے ہیں چونکہ یہ آنکھ زنجیر میں ہے اور اسے شعر میں باندھتے ہیں اس لئے قید میں ہے لیکن وا ہے کسی کا "وا" ہونا قید و بند سے وا ہونا ظاہر کرتا ہے اس طرح چشمِ زنجیر نے ثابت کر دیا ہے کہ زنجیر میں رہ کر بھی آزاد رہا جا سکتا ہے۔

شیخ جی کعبہ کا جانا معلوم
آپ مسجد میں گدھا باندھتے ہیں

شیخ جی آپ کا کعبہ میں جانا ہمیں معلوم ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہوگی جیسے مسجد میں گدھا باندھ دیا جائے۔ شیخ کو گدھا کہا ہے۔

کس کا دل زلف سے بھاگا کہ اسدؔ
دستِ شانہ بر قفا باندھتے ہیں

دستِ شانہ سے مراد شانے کے دونوں طرف کے دانت ہیں۔ شانے کے وسطی حصے کو اس کی کمر سمجھئے گویا شانے کے دونوں ہاتھ اس کی کمر پہ بندھے ہوئے ہیں پیچھے کی طرف ہاتھوں کو باندھنا تعزیر کی نشانی ہے۔ شانے سے کیا تقصیر ہوئی کہ اسے یہ سزا دی جا رہی ہے۔ کیا محبوب کی زلفوں کو سلجھاتے وقت اس نے کسی دل کو گرا دیا اور وہ فرار ہو گیا جس کی پاداش شانے کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔

(۱۲۴)

صاف ہے از بسکہ عکسِ گل سے گلزارِ چمن
جانشینِ جوہرِ آئینہ ہے خارِ چمن

بہار میں ایک طرف باغ میں پھول کھلتے تھے تو دوسری طرف دیوار پر آئینے لگے تھے تاکہ ان میں پھولوں کا عکس نظر آئے۔ بہار جاتی رہی پھول ختم ہو گئے اور آئینے اتار لئے گئے۔ ان کا عکس بھی معدوم ہو گیا۔ اب تو ہر آئینہ کی جگہ کانٹوں نے لے لی ہے۔ جوہر اور کانٹوں میں مماثلت ہے۔ عکسِ گل کا صاف ہونا بمعنی ناپید ہو جانا۔

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں معمارِ چمن
قالبِ گل میں ڈھلی ہے خشتِ دیوارِ چمن

موسمِ بہار میں باغ پر ایسی نزاکت چھا جاتی ہے جیسے دیوارِ باغ کی اینٹوں کو پھول کے سانچے

میں ڈھال کر بنایا گیا ہو اور نزاکت نے باغ کی تعمیر کی ہو۔

تیری آرائش کا استقبال کرتی ہے بہار
جوہرِ آئینہ ہے یاں نقشِ احضارِ چمن

نقشِ احضار : روحوں کو بلانے کا نقش۔ تو نے آئینے کے سامنے بیٹھ کر آرائش کی گویا باغ و بہار کا عالم ہو گیا۔ دراصل بہار تیری آرائش کی پیشوائی کیلئے چل کر آئی ہے۔ چونکہ یہ آرائش آئینے کی مدد سے وجود میں آتی ہے اس لئے آئینے کا جوہر باغ کو بلانے کا نقش بن گیا۔ جوہر فولادی آئینے میں دھاری کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور اس طرح تحریر سے مشابہ ہے۔

بسکہ پائی یار کی رنگیں ادائی سے شکست
ہے کلاہِ نازِ گل بر طاقِ دیوارِ چمن

بر طاق نہادن : فراموش کرنا۔ فخر اور ناز میں کلاہ کو کج کیا جاتا ہے۔ گویا کلاہ ناز کی نشانی ہے۔ پھول کو اپنی رنگینی پر بڑا ناز تھا اور اس ناز کا اظہار وہ اپنی کلاہ کی آن بان سے کرتا تھا۔ یار کی رنگین ادائی سے پھول کو شکست ہو گئی اور اس کی کلاہ کو باغ کی دیوار کے طاق میں رکھ دیا گیا یعنی اب سب لوگ پھول کو بھول گئے۔ کلاہِ گل سے مراد خود گل ہے۔ اس کے طاق میں رکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ یا پھول کو توڑ کر طاقِ دیوارِ چمن میں رکھ دیا گیا ہے یا شاخِ گل بڑھ کر طاقِ دیوار تک پہنچ گئی ہے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا پھول طاق میں رکھ دیا گیا ہے۔

وقت ہے گر بلبلِ مسکیں زلیخائی کرے
یوسفِ گل جلوہ فرما ہے بہ بازارِ چمن

یوسف بازارِ مصر میں بکنے آئے تھے۔ زلیخا نے قدردانی کی اور انھیں خرید لیا۔ پھول بھی یوسف کی طرح ہے جو باغ کے بازار میں آیا ہے۔ مناسب ہے کہ بلبل زلیخا کی طرح اسے خرید لے۔

وحشت افزا گریہ ہا موقوفِ فصلِ گل اسدؔ
چشمِ دریا بار ہے میرآبِ سرکارِ چمن

میرآب : داروغۂ آبدار خانہ۔ ہم وحشت سے بھرے ہوئے نالے کر رہے ہیں۔ ہماری آنکھ دریا برسا رہی ہے گویا باغ کی داروغۂ آب ہے۔ یہ دریا بار نالے فصلِ بہار کیلئے اٹھا رکھے جائیں تو مناسب ہے کیونکہ آب پاشی کی ضرورت تبھی ہوگی۔

(۱۲۵)

جوں مردمکِ چشم میں ہوں جمع نگاہیں
خوابیدہ بہ حیرت کدۂ داغ ہیں آہیں

آنکھ کی پتلی سے نگاہیں نکلتی ہیں۔ ایک منظر کا تصور کیجئے کہ پتلی سے نگاہیں نکل رہی ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور منظر ہے۔ حسرتوں کی وجہ سے دل پر داغ ہے اور اس داغ کے اطراف بہت سی آہیں سوئی ہوئی ہیں یعنی حسرتوں نے داغ دیا ہے وہی آہوں کا موجب ہیں۔ داغ کو حیرت کدہ کہنے کا جواز اس لئے ہو سکتا ہے کہ دُنیا کی رنگینیوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی اور ان کے ہاتھ نہ آنے پر مایوسی یا پھر حسینوں کی شقاوت نے حیران کر دیا۔

پھر حلقۂ کاکل میں پڑیں دید کی راہیں
جوں دود، فراہم ہوئیں روزن میں نگاہیں

"راہ افگندن در جائے" کے معنی ہیں راہ رفتن۔ محبوب کی زلفوں میں حلقے ہیں۔ ہماری نظروں نے ان حلقوں میں راہ روی کی ہے جس طرح سوراخ میں دھواں اکٹھا ہو جاتا ہے اور باہر نکلتا ہے اسی طرح نگاہیں حلقۂ زلف میں اکٹھی ہو گئی ہیں اور اس کے آر پار گذر رہی ہیں۔

پایا سرِ ہر ذرہ، جگر گوشۂ وحشت
ہیں داغ سے معمور، شقائق کی کلاہیں

جگر گوشہ: فرزندِ عزیز۔ شقائق: لالے کی ایک قسم۔ شقائق نما ایک کپڑا ہوتا ہے جس میں پھول بنے ہوتے ہیں۔ میں نے ہر ذرے کے سر کو فرزندِ وحشت یعنی مجسم وحشت پایا۔ پھولوں کی ٹوپیاں داغوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کپڑوں پر داغ دھبے لگانا وحشت کی نشانی ہے۔

کس دل پہ ہے عزمِ صفِ مژگانِ خود آرا؟
آئینے کی پایاب سے اُتریں ہیں سپاہیں

ایک منظر کا تصور کیجئے۔ فوجیں دریا کے پار کسی ٹھکانے پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ دریا میں ایسا مقام تلاش کیا جاتا ہے جہاں پانی پایاب ہو۔ اس جگہ دریا کو پار کر کے دوسری طرف جا کر صف آرائی کی جاتی ہے تا کہ حملہ کیا جائے۔ شاعر نے چہرۂ محبوب میں اس عمل کو پیش کر دیا ہے۔ آئینے کی چمک کو آب سے تشبیہ دی۔ یہ آب پایاب ہے کیونکہ اس میں ڈوبنے کا اندیشہ نہیں۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر آرائش کرنا اور پھر وہاں سے اُٹھنا گویا آئینے کے دریا کو پار کرنا

ہے۔ آئینے میں دیکھ کر پلکوں کو آراستہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے شاعر نے سوال کیا ہے کہ کس دل پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شاعر کا دل ہے۔

دیر و حرم، آئینۂ تکرارِ تمنا
واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں

دل کو محبوبِ حقیقی کی تلاش ہے۔ وہ اس کے تجسس میں مندر میں جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ منزلِ مقصود نہیں پھر مسجد میں جاتا ہے اور وہاں بھی یہی کیفیت درپیش آتی ہے۔ دیر و حرم تمنا کی تکرار کی نشانی ہیں۔ شوقِ عشق محبوب کی تلاش میں گامزن ہے چلتے چلتے تھک جاتا ہے اور کوئی پناہ گاہ تلاش کرتا ہے۔ ایک پناہ گاہ کے بعد دوسری پناہ گاہ۔ یہ پناہ گاہیں مندر اور مسجد ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مندر اور مسجد مقصود نہیں راستے کے۔ بیچ کے پڑاؤ ہیں جن سے شدتِ شوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ مطلع اسدؔ جوہرِ افسونِ سخن ہو
گر عرضِ تپاکِ جگرِ سوختہ چاہیں

جوہر کا لفظ یہاں محض بھرتی کا ہے۔ جوہر کسی چیز کا نچوڑ ہوتا ہے۔ سخن کے جادو کا جوہر یعنی اظہارِ مطلب کا موثر ترین طریقہ۔ جگرِ سوختہ عشق میں جلا ہوا جگر ہے۔ اگر عشق سے بھرے ہوئے دل کی گرم جوشی کا اظہار کرنا چاہیں تو ذیل کا مطلع موثر ترین ثابت ہوگا۔

حیرت کشِ یک جلوۂ معنی ہیں نگاہیں
کھینچوں ہوں سویدائے دلِ چشم سے آہیں

دل سے آہ کھینچنا آہ کا خلوص ظاہر کرنا ہے۔ دل کی گہرائی یا دل کے مرکز سے آہ کھینچنے کو سویدائے دل سے آہ کھینچنا کہا جا سکتا ہے۔ اب یہ دل بھی اپنا دل نہیں بلکہ آنکھ کا دل ہے، کیونکہ کسی کی باطنی خوبیوں کا جلوہ دیکھ کر نگاہیں حیرت سے بھونچکا ہیں۔ نگاہیں آنکھوں سے نکلتی ہیں اس لئے آہیں بھی آنکھوں کے مرکز سے لی جا رہی ہیں۔ شعر میں محض نازک خیالی ہے اور کچھ نہیں۔

(۱۲۶)

تن بہ بندِ ہوس در ندادہ رکھتے ہیں
دلِ زکارِ جہاں، اوفتادہ رکھتے ہیں

از کار افتادن: معطل و ناکارہ ہونا۔ ہم ایسا جسم رکھتے ہیں جو ہوس کے بند میں گرفتار نہیں۔

ہم ایسا دل رکھتے ہیں جو دنیوی کاروبار کے ڈھب کا نہیں۔

تمیزِ زشتی و نیکی میں لاکھ باتیں ہیں
بہ عکسِ آئینہ یک فردِ سادہ رکھتے ہیں

کوئی بُرا ہے کہ اچھا اس کی شناخت متعدد امور پر مبنی ہے۔ آئینہ بظاہر زشتی و نیکی کو پرکھنے کا مدعی ہے لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں۔ آئینے کے سامنے سب لوگ فردِ سادہ کی طرح صاف ستھرے دکھائی دیتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ باطن میں بھی وہ ایسے ہی ہیں۔ آئینہ تو صرف ظاہر کو دیکھتا ہے زشتی و نیکی کا تعلق باطن سے ہے۔ فرد دفتری کاغذ کو کہتے ہیں۔

فردِ سادہ : وہ نامۂ اعمال جس پر کچھ نہ لکھا ہو۔

برنگِ سایہ ہمیں بندگی میں ہے تسلیم
کہ داغِ دل بہ جبینِ کشادہ رکھتے ہیں

بندگی سے دل میں داغ پڑجاتا ہے۔ کشادہ جبین شگفتگی کا نشان ہے۔ دوسرے مصرع کے معنی یہ نہیں کہ ہم نے داغِ دل جبینِ کشادہ کے اوپر منتقل کر دیا بلکہ یہ معنی ہیں کہ ہم جبینِ کشادہ کے ساتھ داغِ دل رکھتے ہیں۔ سایہ اپنے عکس فگن کا بندہ ہوتا ہے اور یہ متابعت بہ طیبِ خاطر قبول کرتا ہے۔ ہم نے بھی اپنے دل پر داغِ بندگی خوشی خوشی تسلیم کیا ہے۔

بہ زاہداں، رگِ گردن ہے رشتۂ زنار
سرے بہ پائے بتے نانہادہ رکھتے ہیں

رگِ گردن : غرور و سرکشی زاہدوں کی رگِ گردن ہمیشہ تنی رہتی ہے۔ گویا تکبر کی یہ نشانی انھیں زنار کی طرح کفر میں اسیر کئے ہے۔ انسان کے لئے مستحسن یہ ہے کہ کسی بت کے پاؤں میں سر رکھ دیا جائے لیکن زاہدوں کے پاس ایسا سر ہے جو بت کے پاؤں میں نہیں رکھا گیا۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ قیدِ زنار سے آزاد ہیں۔ یہ غرور و تکبر خود ایک زنار ہے۔

معافِ بیہدہ گوئی ہیں ناصحانِ عزیز
دلے بہ دستِ نگارے نہ دادہ رکھتے ہیں

عزیز ناصح بے ہودہ باتیں کرنے میں قابلِ معذرت ہیں کیونکہ ان کے پاس ایسا دل ہے جو کسی حسین کو نہیں دیا گیا۔ جو عشق سے واقف نہ ہو۔ وہ ہمیں سمجھ ہی نہیں سکتا۔

برنگِ سبزہ عزیزانِ بد زباں یک دست
ہزار تیغ بہ زہراب دادہ رکھتے ہیں!

عزیزانِ بد زباں وہی نصیحت کرنے والے عزیز ہیں جو طرح طرح کی جلی کٹی باتیں کر رہے ہیں۔ سبزہ میں ہزاروں تیغ ہوتی ہیں۔ بد زبانی کرنے والے عزیزوں کے پاس بھی ہزاروں تیغ ہیں اور معمولی نہیں زہر کے پانی میں بجھائی ہوئی۔ زہر کا پانی طعن و تشنیع ہے۔ زہر روایتاً سبز ہوتا ہے۔ اس لئے زہر آب میں بجھی ہوئی تلوار سبز ہوگی اور سبزے سے مشابہ ہوگی۔

(۱۲)

طاؤس غط، داغ کے گر رنگ نکالوں
یک فردِ نسب نامۂ نیرنگ نکالوں

رنگ نکالنا : رنگ و روپ لانا۔ طاؤس میں طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ اگر میں اس کی طرح داغ کی رنگینیوں کا اظہار کروں تو ایسی فرد نکالنی پڑے گی جس میں رنگا رنگی کا شجرہ لکھا ہو یعنی رنگینی کے مختلف انداز بیان کئے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ داغ میں طرح طرح کے رنگ ہیں۔

کو تیزیِ رفتار؟ کہ صحرا سے زمیں کو
جوں قمریِ بسمل، تپشِ آہنگ نکالوں!

کہاں ہے وہ تیزیِ رفتار کہ اس سے صحرا کی زمین گھبرا جائے اور میری جولانی سے بچنے کیلئے تڑپتی ہوئی صحرا کو چھوڑ کر بھاگے۔ میری گرمیِ رفتار سے زمین ایسی تڑپ جائے گی جیسے قمریِ مذبوح۔

دامانِ شفق، طرفِ نقابِ مہِ نو ہے
ناخن کو جگر کاوی میں بے رنگ نکالوں؟

دوسرا مصرع استفہامیہ ہونا چاہیئے۔ شفق میں مہِ نو سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شفق کا دامن مہِ نو کا نقاب ہے۔ ایسے منظر کو دیکھنے کے بعد کیا میں جگر سے ناخن کو ایسے ہی بغیر خون میں رنگے نکال لوں۔ نہیں میں جگر کاوی کر کے خون برآمد کروں گا اور اس میں ناخن کو رنگوں گا تاکہ شفق میں ہلال کا جواب ہو سکے۔

کیفیتِ دیگر ہے، فشارِ دلِ خوں میں
یک غنچہ سے صد خُمِ مے گلرنگ نکالوں

دلِ خوں شدہ کے نچوڑنے میں ایک اور ہی کیفیت ہے۔ یہ ایسا غنچہ ہے کہ اسے نچوڑ کر سرخ

رنگ کی شراب (خون) کے سو خُم نکالے جا سکتے ہیں جو دوسرے شیشوں میں ممکن نہیں۔

پیمانۂ وسعت کدۂ شوق ہوں اے رشک
محفل سے مگر شمع کو دل تنگ نکالوں

دل تنگ: بخیل یا رنجیدہ۔ میں ایسی بوتل ہوں جس میں شوق اور عشق کی وسعتیں بھری ہوئی ہیں۔ شمع میں بھی شوق کی فراوانی ہے کیونکہ وہ پیچ پیچ جل رہی ہے۔ مجھے شمع پر رشک آتا ہے اس لئے میں اسے بخیل قرار دے کر محفل سے نکال دوں گا۔ بخیل اس لئے کہ میرے مقابلے میں وہ شوق کے معاملے میں تنگ دست معلوم ہوتی ہے۔ شعر میں دل تنگ کے معنی رنجیدہ بھی لئے جا سکتے ہیں۔ رشک کے سبب شمع کو محفل سے نکال دوں جس سے وہ ملول ہو گی۔ شمع بھی پیمانے سے مشابہ ہے۔

گر ہو بلدِ شوق مری خاک کو وحشت
صحرا کو بھی گھر سے کئی فرسنگ نکالوں

بلد: راہ نما۔ مرنے کے بعد میں خاک ہو کر اُڑ رہا ہوں۔ زندگی بھر شوقِ عشق میں وحشت کے سبب جولانی کرتا رہا۔ بعد میں اگر وحشت میری خاک کو شوق میں جولانی کا راستہ دکھائے تو میں نہ صرف صحرا کی دھول اُڑا دوں بلکہ صحرا کو بھی اس کے مقام سے کئی کوس دور نکال دوں۔ وحشت کی انتہا یہ ہے کہ جس طرح خود اپنے گھر سے کئی کوس باہر نکل آئے ہیں۔ اسی طرح صحرا کو بھی اس کے مستقر سے باہر دوڑا دیا۔

فریاد، اسدؔ، غفلتِ رسوائیٔ دل سے
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں

پردے کے دو معنی ہیں۔ ساز یا آڑ یعنی حیلہ۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ چیخ کے نالے کرکے دل کو رسوا کرنا بہت محترم کام ہے۔ کچھ عرصے سے میں اس قابلِ فخر فریضے سے غافل تھا۔ اب کون سا حیلہ تلاش کرکے فریاد کی لے بلند کروں۔ آہنگ: موسیقی کا مقام یا راگ۔

(۱۲۸)

کیا ضعف میں اُمید کو دل تنگ نکالوں
میں خار ہوں، آتش میں چبھوں، رنگ نکالوں

ضعف میں رنگ و رونق کی کوئی اُمید نہیں ہوتی۔ مستقبل بے رنگ ہوتا ہے۔ کمزوری

میں اُمید کو دل رنجیدہ رہنے دوں۔ میں کمزور ہو کر کانٹا ہو گیا ہوں۔ کانٹا کسی کے پاؤں میں چبھویا جائے تو رنگ خون نکلے گا اور کانٹے پر رونق آجائے گی۔ میں آگ کے جسم میں چبھوں اور رنگ پیدا کروں۔ آگ میں چبھنے کے معنی یہ ہیں کہ جلنے لگوں اور شعلے سے رنگ پیدا کروں۔ اس میں بھی ایک رونق ہوگی۔

نے کوچۂ رسوائی و زنجیر پریشاں
کس پردے میں فریاد کی آہنگ نکالوں

دوسرے مصرع کے وہی معنی ہیں جو اس سے پہلی غزل کے مقطع کے سلسلے میں بیان کئے گئے ہیں۔ کوچۂ رسوائی: محبوب کا کوچہ مثلاً کسی مطربہ کی گلی جہاں جانے سے رسوائی ہوتی ہے۔ زنجیر پریشان: زنجیر جو ہماری وحشت کی وجہ سے پریشان ہو۔ میں نہ محبوب کے کوچے میں ہوں نہ مجھے زنجیر پہنائی گئی ہے اب میں کس حیلہ کو لے کر فریاد بلند کروں۔

آسی نے زنجیر کو بلا اضافت پڑھا ہے اور نے کے معنی بانسری لئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نے نوازی کوچۂ رسوائی ہے اور زنجیر پریشان چیز ہے۔ اب کون سا پردہ رہا جس سے میں اپنی آواز نکالوں۔ میں اس تشریح سے متفق نہیں۔ میرے نزدیک نے بانسری کے معنی میں نہیں۔ نفی کے معنی میں آیا ہے۔

یک نشو و نما جا نہیں جولانِ ہوس کو
ہر چند بہ مقدارِ دلِ تنگ نکالوں

غالب مقدار کا اندازہ کرانے کیلئے مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یک بیابان آرزو، یک زانو تامل وغیرہ۔ اسی طرح جگہ کے لئے یک نشو و نما جا کی ترکیب تراشی ہے یعنی اتنی جگہ جس میں کوئی پودا پھل پھول سکے۔ میرا دل تنگ ہے۔ رنجیدہ آدمی کا دل تنگ ہی ہوتا ہے۔ چاہتا ہوں اپنی ہوس کو جولاں کرکے کام دل حاصل کروں لیکن دُنیا میں ہوس یا خواہش پوری کرنے کا بالکل مقام ہی نہیں۔ حالانکہ میں دلِ تنگ کے مطابق بہت تھوڑی سی ہوس کو متحرک کروں لیکن دُنیا اتنی ناسازگار ہے کہ اس کی برآری کا بھی موقع نہیں۔

گر جلوۂ خورشید خریدارِ وفا ہو
ہوں ذرہ، صد آئینۂ بے زنگ نکالوں

اس شعر میں خورشید سے مراد محبوب ہے اور آئینے سے مراد دل۔ میرا دل بے زنگ و

رونق یعنی پھیکا اور افسردہ ہے لیکن اس میں وفا بھری ہوئی ہے۔ جس طرح سورج بے رنگ ذرّے پر جلوہ ڈال کر اُسے رنگین کر دیتا ہے اسی طرح محبوب اگر میرے دل کی افسردگی پر نہ جا کر میری وفا کی قدر کرے تو میں اس کے سامنے سینکڑوں دل پیش کر سکتا ہوں۔

افسردۂ تمکیں ہے نفس گرمیِ احباب
پھر شیشے سے عطرِ شرر رنگ نکالوں

عطرِ شرر رنگ: عطرِ آتش یعنی شراب۔ رکھ رکھاؤ کی وجہ سے دوستوں کے جسم کی حرارت ٹھنڈی اور افسردہ ہو گئی ہے۔ ان کے سانس میں گرمیِ حیات بیدار کرنے کیلئے شیشے سے عطرِ آتش نکال کر پیش کروں۔

ضعف آئینہ پردازیِ دستِ دگراں ہے
تصویر کے پردے میں مگر رنگ نکالوں

آئینہ پردازی: صیقل گری۔ ضعف میں آدمی بے رنگ ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس کی نبض دیکھتے ہیں یا اسے ہاتھ سے سہارا دیتے ہیں تو تضاد کے طور پر شخصِ مقابل کا ہاتھ توانا اور بارنگ نظر آتا ہے گویا میرا ضعف دوسرے کے ہاتھوں کی رونق افزائی (صیقل گری) ہے۔ اس سے تو اچھا یہ ہے کہ میری تصویر بنائی جائے۔ تصویر میں تو میرے چہرے پر رنگ دکھایا ہی جائیگا۔ کیونکہ تصویر رنگ ہی سے بنے گی۔ رنگ نکالنے کے معنی چہرے پر رونق آنے کے ہیں۔

ہے غیرتِ اُلفت کہ اسد اس کی ادا پر
گردیدۂ دل صلح کریں، جنگ نکالوں

اس کی ادائیں دیکھ کر ایک ردِّ عمل یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ وہ ہمیں خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ اس لئے اس سے دو لفظی ہو جائیں جیسا کہ غالب نے ایک شعر میں کہا ہے۔

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچیے

زیرِ بحث شعر میں اس کے برعکس کہا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جن اداؤں کا مذکور ہے وہ مہر و کرم سے بھری ہوئی ہیں۔ اے اسد اگر آنکھ اور دل ان اداؤں کو دیکھ کر خاموشی سے گوارا کرنے کو تیار ہیں تو یہ عاشقانہ غیرت کے منافی ہے کہ میں اس سے زبانی معرکہ آرائی کروں۔

(۱۲۹)

سودائے عشق سے دمِ سرد کشیدہ ہوں
شامِ خیالِ زلف سے صبحِ دمیدہ ہوں

دمِ سرد کشیدن: ٹھنڈی سانس لینا یعنی آہ بھرنا۔ صبح دمیدن: صبح کا طلوع ہونا۔ میں عشق کے سودا میں مجسم ٹھنڈی آہ ہو گیا ہوں یعنی ہر دم ٹھنڈی آہ بھرتا ہوں میں وہ صبح ہوں جو زلف نے تصور کی رات سے طلوع ہوتی ہے یعنی زلف کا تصور کیا اور اس کے بعد دل شگفتہ ہو گیا۔ دونوں مصرعوں میں تضاد سے کام لیا گیا ہے۔ سودا اور سرد۔ شام اور صبح شامِ خیالِ زلف نہایت تصنع آمیز ترکیب ہے۔ خیالِ شامِ زلف تک تو روا ہو سکتا تھا۔

کی متصل ستارہ شماری میں عمر صرف
تسبیحِ اشک ہائے ز مژگاں چکیدہ ہوں

میری پلکوں سے آنسو ٹپکا کئے جس سے تسبیحِ اشک کی شکل ہو گئی۔ یہ آنسو ستارے کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور اس طرح میں عمر بھر ستارے گنتا رہا۔ ستارے گننا کسی کے انتظار میں جاگتے رہنے کو بھی کہتے ہیں۔ دراصل اس شعر میں دانہ ہائے اشک کی دو تشبیہیں پیش کی ہیں۔ تسبیح سے اور ستاروں سے۔

دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے متصل
خم خانۂ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں

دورانِ سر: سر کا گھومنا یعنی چکر آنا۔ دماغِ رسیدہ: سرخوش دماغ۔ گردشِ سر سے گردشِ ساغر کا نزدیکی رشتہ ہے۔ میں جنون کے مے خانہ میں شرابِ جنوں سے مست ہوں۔ ساغر سے دماغ کی جو کیفیت ہوتی ہے جنون کی وجہ سے بغیر ساغر کے میرے دماغ کا وہی حال ہے۔

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں
جوں شانہ پشتِ دست بہ دنداں گزیدہ ہوں

شانے کے دانتے اس کی پشتِ دست بھی ہیں اور دانت بھی۔ گویا دانتوں نے پشتِ دست کو کاٹ لیا ہے۔ افسوس میں دانتوں سے پشتِ دست کو کاٹا جاتا ہے۔ اس طرح شانے کی ہیئتِ خارجی میں افسوس کے نشان پائے جاتے ہیں۔ میری صورت پر بھی اسی طرح کی پھٹکار برستی ہے۔ میری رونی صورت دیکھ کر ہی میرے رنج و غم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ گویا میں نے بھی

ہاتھوں کی پشت کو دانتوں سے کاٹا ہوا ہے۔

دیتا ہوں کشتگاں کو سخن سے سرِ تپش
مضرابِ تارہائے گلوئے بریدہ ہوں

میں اپنی باتوں یا شاعری سے عشق میں مرے ہوؤں کو تڑپ دیتا ہوں۔ مضراب سے تارِ ساز کو چھیڑا جاتا ہے تو نالہ بلند ہوتا ہے۔ میں ایسی مضراب ہوں جو کٹے ہوئے گلوں کے تارِ رگ کو چھیڑ کر اُن میں سے صدا اُگا رہا ہوں۔ گلوئے بریدہ سے مراد عاشق کے گلو ہیں۔
غالب صوتی تار (VOCAL CORDS) سے واقف نہ ہوں گے اس لئے تارِ گلو سے گلے کی رگیں مراد لی جائیں گی۔

ہے جنبشِ زباں بہ دہن سخت ناگوار
خونابۂ ہلاہلِ حسرت چشیدہ ہوں

حسرت کو زہرِ ہلاہل سے اور زہرِ ہلاہل کو خوناب (خون ملا ہوا پانی یعنی خون کے آنسو) سے تشبیہ دی ہے۔ میں نے حسرت کا زہر چکھا ہے۔ منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا ہے اس لئے منہ میں زبان کو ہلانا سخت ناگوار ہے۔ استعارے دور کئے جائیں تو یہ معنی ہوں گے ہماری کوئی خواہش پوری نہ ہوئی۔ سخت نا امیدی کا عالم ہے کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

جوں بوئے گل ہوں گرچہ گراں بارِ مشتِ زر
لیکن اسدؔ بہ وقتِ گزشتن جریدہ ہوں

پھول میں زیرہ ہوتا ہے جسے زرِ گل کہتے ہیں۔ مٹھی میں زر ہونا رئیسی کی علامت ہے۔ بوئے گل اپنے منبع کے قریب مشتِ زر سے مالا مال ہوتی ہے لیکن آگے چل کر خالی رہ جاتی ہے یہی میرا حال ہے کہ گرچہ میرے پاس زر ہے لیکن دُنیا سے گزرنے کے وقت میں بالکل اکیلا ہوں۔ اس وقت میرے پاس کوئی مال و زر نہ ہوگا۔

(۱۳۰)

خوں در جگر نہفتہ بہ زردی رسیدہ ہوں
خود آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ ہوں

میرا خون جگر میں چھپ کر رہ گیا ہے۔ چہرے اور جلد پر اس کے آثار نہیں جس کی وجہ سے میں زرد ہو گیا ہوں۔ میرا جو رنگ اُڑا ہے میں خود ہی اس طائرِ رنگ کا آشیاں ہوں۔ رنگ خون

سے تھا اور خون اندر چھپ گیا ہے گویا اپنا رنگ اپنے ہی اندر پوشیدہ ہے۔ اُڑے ہوئے رنگ کو طائر سے تشبیہ دینا غالب کا مرغوب خیال ہے۔

ہے دستِ ردِ بر سیرِ جہاں بستنِ نظر
پائے ہوس بہ دامنِ مژگاں کشیدہ ہوں

دستِ رد: انگشتِ رد یا انگشتِ اعتراض۔ بستنِ نظر: نظر باندھنا۔ پا بہ دامن کشیدن: آمد و شد ترک کرنا۔ میں سیرِ جہاں کیونکر کروں۔ لوگ اعتراض کیلئے میری طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ان کا ہاتھ مجھے سیر سے اور نظارہ بازی سے باز رکھتا ہے۔ میں نے اپنی ہوسِ دید کے پاؤں پلکوں کے دامن میں کھینچ لئے ہیں یعنی سیر بھی ترک کی اور نظر کی سیر بھی۔ آسی اس شعر کے محاورں کو نہ سمجھ پائے۔

میں چشم وا کشودہ و گلشن نظر فریب
لیکن عبث کہ شبنمِ خورشید دیدہ ہوں

میں آنکھ کھولے ہوئے ہوں اور باغ نظر فریب ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ میں دیر تک نظارہ کر سکتا لیکن یہ سب بیکار ہے۔ میری زندگی اتنی آنی و فانی ہے جتنی دھوپ کھائی ہوئی شبنم کی۔

تسلیم سے یہ نالۂ موزوں ہوا حصول
اے بے خبر میں نغمۂ چنگِ خمیدہ ہوں۔

چنگ ایک باجا ہوتا ہے جس کا ایک سر خمیدہ ہوتا ہے۔ میں نے یار (غالباً محبوبِ حقیقی) کی رضا کے آگے سرِ تسلیم خم کیا تو میں ایسی لطافت آمیز شاعری کر پا رہا ہوں۔ گویا میں خمیدہ چنگ کا راگ ہوں۔ خمیدگی عجز و تسلیم کی علامت ہے۔ میری شاعری میں بھی تسلیمِ یار ہے۔

پیدا نہیں ہے اصلِ تگ و تازِ جستجو
مانندِ موجِ آب زبانِ بریدہ ہوں

زبانِ بریدہ: خاموش انسان۔ لیکن غالب زبان پر اضافت لگا گئے ہیں اور یہ عروضی جبر ہے ورنہ بغیر اضافت ہی بہتر تھا۔ کٹی ہوئی زبان بھی نطق سے قاصر ہے۔ موج کی تشبیہ زبان سے دی جاتی ہے خصوصاً اوپر اُٹھنے والی ٹیار کی زبان ہوتی ہے۔ میں دُنیا میں دوڑ دھوپ کر رہا ہوں لیکن کس شے کی تلاش میں، یہ واضح نہیں۔ میری مثال پانی کی لہر سے ہے جو مسلسل چلی جا رہی ہے لیکن زبانِ بریدہ کی طرح گونگی ہے۔ راز ہے کسی کو بتاتی نہیں کہ کہاں اور کیوں چل رہی ہے۔ شاید خود بھی نہیں جانتی۔ میرا بھی یہی حال ہے یعنی زندگی ایک جہدِ مسلسل ہے لیکن کاہے کی جدوجہد ہے معلوم نہیں۔

سر پہ مرے وبالِ ہزار آرزو رہا
یارب میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں

غریب کو ہزار آرزو رہتی ہے لیکن اس کی قسمت اس سے دور بھاگتی ہے کیونکہ اتنی آرزوؤں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔ یہی میرا حال ہے۔ سر پہ ہزاروں حسرتوں کا بوجھ ہے۔

میں بے ہنر کہ جوہرِ آئینہ تھا عبث
پائے نگاہِ خلق میں خارِ خلیدہ ہوں

جوہرِ آئینہ کی مشابہت خار سے ہے۔ لیکن جوہر کو بے ہنر نہیں کہہ سکتے۔ میں بھی جوہرِ آئینہ کی طرح قابلِ قدر تھا لیکن اپنے جوہروں کو استعمال نہ کرسکا اور بے ہنر سمجھا گیا اس وجہ سے لوگوں کی نگاہ کے پاؤں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہوں یعنی خلق مجھے دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں

میں مستقبل میں متوقع کامرانیوں کا تصور کر رہا ہوں اور اس کے نشاط سے نغمہ الاپ رہا ہوں۔ گویا میں جس باغ کا بلبل ہوں وہ ابھی وجود میں نہیں آیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ لہلہائے گا۔ اس شعر کو زندگی کی معمول خوشیوں تک محدود نہ رکھ کر اگر علامتی رنگ میں ان کی شاعری پر اطلاق کریں تو یہ معنی ہوں گے کہ میں جن خیالات کو پیش کر رہا ہوں۔ آج ان کی تفہیم ممکن نہیں۔ آنے والی نسلیں ان کو سمجھیں گی۔ گویا میری شاعری مستقبل کا باغ ہے۔

میرا نیاز و عجز ہے مفتِ بتاں، اسد
یعنی کہ بندۂ بہ درم ناخریدہ ہوں

میرا عجز و نیاز بتوں کے لئے مُفت نذر ہے یعنی میں ان کا بندۂ بے درم خریدہ ہوں۔ اُنہوں نے مجھے معاوضے میں کچھ نہیں دیا۔ میں خود ہی ان کے آگے سربسجود ہوا جا رہا ہوں۔

(۱۳۱)

بقدرِ لفظ و معنی فکرت احرامِ گریباں ہیں
وگرنہ کیجئے جو ذرّہ عریاں، ہم نمایاں ہیں

فکرت: فکرِ شعر کا خیال۔ ذرّہ: ذرا۔ ہم نے اپنے گریباں کے مقام یعنی سینے پر فکر کا احرام لپیٹا ہوا ہے۔ اس احرام کو ذرا ہٹا کر عریاں کیجئے تو ہمارا جسم دکھائی دے گا۔ یہ لفظی معنی

ہوئے۔ اس شعر میں اپنے سخن کا ذکر ہے۔ ہمارے شعر میں بظاہر بڑا مشکل اور دقیق خیال پایا جاتا ہے لیکن ایسی بات نہیں شعر میں لفظوں کی مناسبت سے معنی اور فکر ہیں۔ اگر انہیں ذرا چاک کرکے دیکھئے تو ہیئتِ شعر کے نیچے ہماری شخصیت دکھائی دے گی۔

عروجِ نشۂ واماندگی، پیمانۂ محمل ہے
برنگِ ریشۂ تاک آبلے جادے میں پنہاں ہیں

طویل جادہ پیمائی میں تھکن کو نشے سے مماثل کرکے اس کے دوسرے متعلقات کا اہتمام کیا ہے۔ راستے میں چلے جا رہے ہیں۔ تھکن کے نشے کا زور بڑھتا جا رہا ہے۔ اس نشے کا ایک پیمانہ بھی تصور کیجئے۔ یہ پیمانہ محمل کی طرح ہے یعنی جس طرح مسافر محمل میں چلا جاتا ہے اسی طرح ہم اس نشے میں ملفوف چلے جا رہے ہیں۔ تھکن مزید بڑھی یعنی تھکن کا نشہ اور بڑھا۔ اس نشے کا پیمانہ اور بہتر طریقے پر محمل کی طرح ہو گیا۔ جس طرح انگور کی بیل کے ریشے میں تھوڑی تھوڑی دور پر انگور کے دانے ہوتے ہیں اسی طرح طویل جادے میں ہمارے پاؤں کے آبلے ہیں۔ انگور سے نشہ آور شراب بنتی ہے۔ آبلوں سے نشۂ واماندگی اُبھرتا ہے۔ تھکن کے نشے کے پیمانے سے مراد خود تھکن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم راستہ چلتے چلتے تھک گئے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی محمل نہیں بجز اس تھکن کے یہی ہمارا سہارا ہے۔

یہ وحشت گاہِ امکاں اتفاقِ چشم مشکل ہے
مہ و خورشید باہم سازِ یک خوابِ پریشاں ہیں

وحشت گاہِ امکاں سے مراد دُنیا ہے۔ دُنیا میں دو آدمیوں کی آنکھ یا نظر کا اتفاق مشکل ہے یعنی ایک آدمی کو جو کچھ نظر آتا ہے دوسرا اس سے کچھ مختلف دیکھتا ہے۔ چاند اور سورج دو شخصوں کی آنکھوں کی طرح ہیں لیکن ان میں اتفاق نہیں یہ دونوں باہم مل کر ایک خوابِ پریشان کا سامان فراہم کردیتے ہیں۔ سورج دنیا کو کسی اور نظر سے دیکھتا ہے۔ چاند کسی اور سے۔ دونوں کا اجتماع کردیا جائے تو وہ اجتماعِ ضدین یعنی وحشت آمیز خواب ہوگا۔

نہ انشا معنیِ مضموں، نہ املا صورتِ موزوں
عنایت نامہ ہائے اہلِ دنیا، ہرزہ عنواں ہیں

فارسی کا ایک مشہور مصرع ہے ع
خطِ غلط، معنی غلط، انشا غلط، املا غلط

غالب نے اسی کے الفاظ ذہن میں رکھے ہیں۔ اہلِ دُنیا چٹھیاں لکھتے ہیں تو وہ بے ہودہ

انداز کی ہوتی ہیں نہ ان میں معنی مقصود حسن و خوبی سے تحریر ہوتے ہیں اور نہ اعلیٰ مناسب شکل میں ہوتا ہے ایسے عنایت ناموں کا کیا سر پر پٹکا جائے۔

طلسمِ آفرینش حلقۂ یک بزمِ ماتم ہے
زمانے کے شبِ یلدا سے موئے سر پریشاں ہیں

دُنیا ایک ماتم کرنے والوں کا گروہ معلوم ہوتی ہے۔ ماتمیوں کے سر کے بال پریشاں ہوتے ہیں۔ کالی رات کو ماتم کناں زمانے کے پریشان بال ہی سمجھئے۔ شبِ یلدا سے: شبِ یلدہ کے ذریعے سے شبِ یلدا کے پردے ہیں۔

یہ کس بے مہر کی تمثال کا ہے جلوہ سیمابی
کہ مثلِ ذرہ ہائے خاک آئینے پرافشاں ہیں

سیمابی: روشن سفید۔ سورج کا جلوہ روزن سے گذر کر ذروں پر پڑتا ہے تو ذرّے اُڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ آج تو آئینے بھی خاک کے ذروں کی طرح اُڑے جا رہے ہیں۔ ان پر کس ظالم کی تصویر کا جلوہ پڑا جس سے ان کا یہ حال ہوا۔ ظاہر ہے کہ ظالم محبوب ان کے سامنے آیا ہوگا اور اس کے جلوے نے آئینے کو اُڑا دیا۔ آئینے پر سیماب کی قلعی ہوتی ہے اس لئے سیمابی کہنے میں ایک رعایت بھی ہوئی۔

مگر آتش ہمارا کوکبِ اقبال چمکا دے
وگرنہ مثلِ خارِ خشک مردودِ گلستاں ہیں

ہم سوکھے کانٹے کی طرح باغ میں مردود ہیں شاید آگ ہماری قسمت کے تارے کو روشن کر دے۔ ہم کانٹے کی طرح جلیں گے تو ایک روشنی ہوگی۔ اس کے سوا اور کسی بلند اقبالی کی اُمید نہیں۔

اسدؔ بزمِ تماشا میں تغافل پردہ داری ہے
اگر ڈھانپے تو آنکھیں ڈھانپ ہم تصویرِ عریاں ہیں

ایک محفل ہے جس میں یار بھی موجود ہے اور دوسرے بھی۔ اسے بزمِ تماشا کہیں گے اگر عاشق مسلسل یار کی طرف دیکھتا رہے تو اس کا رازِ عشق فاش ہو جائیگا۔ ضرورت ہے کہ وہ محبوب کی طرف سے تغافل کرے۔ اس پر کوئی خاص دھیان نہ دے۔ کسی کو بھی شبہ نہ ہوگا۔ عاشق کا عشق اس کی آنکھوں، اس کی نظارہ بازی سے اتنا صاف ہوتا ہے جیسے کسی عریاں تصویر کی حقیقت پہلی نظر میں دکھائی دے جائے۔ عاشق اپنے دوست اسدؔ سے کہتا

ہے کہ اگر تو ہمارا رازِ عشق افشا نہیں کرانا چاہتا تو ہماری آنکھیں ڈھانپ دے تاکہ ہم مسلسل محبوب کی طرف نہ گھورتے جائیں اور لوگ سب کچھ نہ تاڑ جائیں۔

(۱۳۲)

مرگِ شیریں ہوگئی تھی کوہکن کی فکر میں
تھا حریرِ سنگ سے قطعِ کفن کی فکر میں

نسخۂ عرشی میں مرگ پر اضافت ہے جو مناسب نہیں۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ بیستون تراشتے وقت فرہاد کے تصور میں شیریں کی موت واقع ہو چکی تھی۔ مرگ اور شیریں میں اضافت کا تعلق نہیں توصیفی رشتہ ہے۔ فرہاد کے تخیل میں موت خوشگوار اور شیریں ہوگئی تھی۔ وہ پتھر نہیں تراش رہا تھا لباسِ ریشمِ سنگ سے اپنا کفن تراش رہا تھا۔ حریر بہت ملائم کپڑا ہوتا ہے۔ شاعر کی عبارت ہے کہ پتھر کو ریشم سے مشابہ کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ فرہاد جب پہاڑ کو تراش رہا تھا اسے احساس تھا کہ کامیابی منہ نہ دکھائے گی اور آخر کار اسے جان دینی ہوگی لیکن چونکہ یہ مہم محبوب کے آرام گہ لئے کی جا رہی تھی اس لئے مرنا اسے محبوب ہوگیا تھا۔

فرصتِ یک چشمِ حیرت شش جہت آغوش ہے
ہوں سپند آسا، وداعِ انجمن کی فکر میں

یک چشمِ حیرت: حیرت کی ایک نظر ڈالنا۔ فرصت میں آنکھ کھلی رہ جاتی ہے جو آغوش وداع سے مشابہ ہوتی ہے۔ آغوشِ وداع سے مراد کسی کو وداع کرتے وقت ہاتھ کھول کر بغلگیر ہونا۔ مجھے حیرت کی ایک آنکھ ڈالنے کی مہلت ملی ہے اور اتنی سی فرصت پوری دُنیا کو آغوش میں لئے ہے۔ یہ آغوش، وداع کی آغوش ہے۔ جیسے سپند کو آگ پر ڈالتے ہیں تو وہ پھٹتا ہے اور چشمِ حیرت اور آغوشِ وداع سے مشابہ ہوتا ہے اسی طرح میں چشمِ حیرت کی آغوش سے محفلِ عالم کو وداع کر رہا ہوں۔ یعنی مرنے سے پہلے کے چند لمحوں میں چار اطراف کو دیکھ کر رخصت ہو رہا ہوں۔

وہ غریبِ وحشت آبادِ تسلّی ہوں جسے
کوچہ دے ہے زخمِ دل، صبحِ وطن کی فکر میں

شاعر اپنے وطن سے دور غریب الدیار ہے۔ صبحِ وطن کو یاد کر رہا ہے۔ اس وقت وحشت آبادِ تسلی میں ہے یعنی جس مقام میں ہے اسے وحشت آباد سمجھئے یہاں کوئی مونس اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا ہے وہ مونس کون ہے؟ زخمِ دل۔ کوچہ دینا: کسی کو گزرنے کیلئے راستہ دینا اس طرح یہ راہ دینے کے مترادف ہے۔ وحشت آبادِ غربت میں صبحِ وطن کی تلاش میں چلے جا رہے

یعنی زخمِ دل نے ان کیلئے راستہ بنا دیا کہ اس پر چلو تو منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ یہی تسلی دینا ہے ظاہر ہے کہ زخمِ دل کے راستے پر چلنا اور بھی موجبِ آزار ہوگا۔

سایۂ گل داغ و جوشِ نکہتِ گل موجِ دود
رنگ کی گرمی ہے تاراجِ چمن کی فکر میں

شاعر نے بہارِ باغ کو بربادیٔ باغ کا سامان بنا دیا ہے۔ پھول کا کالا سایہ داغ ہے۔ پھول کی خوشبو کا پھیلاؤ دھویں کا لہرانا ہے۔ پھول کے سرخ رنگ کی حدت باغ کو برباد کرنے کی فکر میں ہے۔ گرمی سے مراد آتش گلی ہے۔ اس طرح شاعر نے بہار سامانی کو آگ، دھواں اور داغ بنا دیا۔

فالِ ہستی، خار خارِ وحشتِ اندیشہ ہے
شوخیٔ سوزن ہے سامانِ پیرہن کی فکر میں

خار خار: دغدغہ۔ سامانِ پیرہن: پیرہن سامانی یا اہتمامِ پیرہن۔ ہم نے فال لیا کہ ہم صفحۂ ہستی پر باقی رہیں گے کہ نہیں۔ اندیشوں نے بقائے حیات کے بارے میں دغدغہ پیدا کر دیا دوسری طرف سوئی کی شوخی یہ ہے کہ ہمارے لئے پیرہن سینے کی فکر میں ہے۔ جب وجود کے بارے میں ہی ہزار اندیشے ہیں تو آلائشِ جسم کا ہے کے لئے۔ خار خار اور سوزن میں رعایت ہے۔

غفلتِ دیوانہ جز تمہیدِ آگاہی نہیں
مغزِ سر، خوابِ پریشاں ہے سخن کی فکر میں

غفلت سے مراد عدمِ ہوش مندی ہے۔ کوئی وحشت ناک خواب دیکھتا ہے تو بیداری کے بعد اس کا ذکر کرتا ہے اور اس وقت کی بات ہوش سے بھری ہوتی ہے۔ دیوانے کا مغزِ سر وحشت ناک خواب کی طرح پریشاں ہے اس لئے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اگلی منزل ہوش مندی کی بات چیت ہوگی۔ اس طرح اس کی شوریدہ سری ہوش مندی کی بشارت کے سوا کچھ نہیں۔

مجھ میں اور مجنوں میں وحشت سازِ دعویٰ ہے اسدؔ
برگِ بید ہے، ناخن زدن کی فکر میں

ناخن زدن: دو آدمیوں کے بیچ فتنہ و جنگ کرا دینا۔ اے اسد میرے اور مجنوں کے بیچ وحشت بنائے مسابقت ہے۔ بیدِ مجنوں کا تعلق مجنوں سے بھی ہے وحشت سے بھی اس کا ہر پتہ ہم دونوں کو لڑانے کی فکر میں ہے۔ بیدِ مجنوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے پتے

بکھرے ہوئے ٹوٹے پھوٹے سے ہوتے ہیں اور اس پر پھل نہیں آتا۔

نسخۂ عرشی میں وحشت کے بعد وقفہ کا نشان دے کر وحشت کو ساز سے الگ کر دیا ہے۔ میری رائے میں یہ دور از کار ہے۔ "وحشت سازِ دعویٰ" ایک ہی ترکیب مانا جا سکتا ہے اور غالب کے لئے ایسی ترکیب کا استعمال غیر معمولی نہیں۔ اس طرح شعر کے معنی یہ ہوں گے۔ بیدِ مجنوں نے میرے اور مجنوں کے درمیان دعویٰ (مسابقت تقابل) کی وحشت پیدا کر دی ہے اس کا ہر پتہ ہم دونوں کو لڑانے کی فکر میں ہے۔ شعر کے خیال کی بنیاد بیدِ مجنوں کے لفظ پر ہے۔ وحشت ساز کو ایک ترکیب ماننا قابلِ ترجیح ہے۔

(۱۳۴)

اے نوا سازِ تماشا، سر بکف جلتا ہوں میں
یک طرف جلتا ہے دل اور یک طرف جلتا ہوں میں

نوا سازِ تماشا: تماشے کا اہتمام کرنے والا یعنی وہ شخص جس نے اپنے حسن کی دید کا موقع فراہم کیا ہے۔ اے نمائشِ حسن کرنے والے میں سر کو ہتھیلی پر رکھے جل رہا ہوں۔ میرا دل بھی جل رہا ہے اور میں خود بھی۔

شمع ہوں، لیکن بہ پا در رفتہ خارِ جستجو
مدعا گم کردہ، ہر سو ہر طرف جلتا ہوں میں

بہ پا در رفتہ خارِ جستجو: جس کے پاؤں میں خارِ جستجو چبھا ہے۔ شمع کے دھاگے کو خارِ شمع کہا جاتا ہے۔ انہوں نے جستجو کو کانٹے سے استعارہ کیا ہے جو پاؤں میں چبھا ہے۔ میں ایسی شمع ہوں جس کو جستجو کی خلش ستا رہی ہے۔ میں ہر طرف پھرتا ہوں۔ منزلِ مقصود سے دور دور ادھر ادھر ٹکر کھا رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ جل بھی رہا ہوں۔

ہے مساسِ دستِ افسوس آتش انگیزِ تپش
بے تکلف آپ پیدا کر کے تف جلتا ہوں میں

تف: تپ یا تب یعنی گرمی۔ میں افسوس میں ہاتھ ملتا ہوں تو بے چینی کی آگ بھڑکتی ہے۔ آپ ہی حدت پیدا کرتا ہوں اور آپ ہی اس میں جلتا ہوں۔ ہاتھوں کو رگڑنے سے گرمی پیدا ہوتی ہے۔ جلنا دراصل ہاتھ کی گرمی سے نہیں افسوس کی وجہ سے ہے۔

ہے تماشا گاہِ سوزِ تازہ ہر یک عضوِ تن
جوں چراغانِ دوالی صف بہ صف جلتا ہوں میں

میرے ہر عضوِ بدن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ابھی ایک عضو جلا ہے اس کے بعد ایک نئی آگ لگ کر دوسرا عضو۔ اس طرح جسم ایک تماشا دے رہا ہے۔ جیسے دوالی میں چراغوں کی صفیں روشن کی جاتی ہیں پہلے ایک صف پھر دوسری صف۔ وہی میرے بدن کا حال ہے

شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں غالب کی طرح
یا علی! اے مجلس آرائے نجف جلتا ہوں میں

نسخۂ بھوپال میں "کی طرح" ہے اور نسخۂ شیرانی میں "کس طرح"۔ خود نوشت دیوان سے گتھی حل ہو جاتی ہے۔ اصلاً متن تھا "مانندِ اسد"۔ اسے کاٹ کر "غالب کی طرح" بنایا گیا ہے۔ نسخۂ شیرانی میں بھی یونہی لکھا ہوگا۔ اگر قاری قلم کے نقطے نظر انداز کردے تو کس طرح پڑھ سکتا ہے۔ یہاں کی طرح کا محل ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں۔ مجلس آرائے نجف: حضرت علی۔ یا علی اگر مجھے شمع کی طرح جلنا ہے تو آپ کی مجلس میں غالب کی طرح جگہ پاؤں اور شمعِ مجلس بن کر مرکزی مقام حاصل کروں۔ اب آپ کی بزم سے دور میں جل رہا ہوں اور یہ جلنا میرے لئے بے موقع و محل ہے۔ مجھے بھی غالب کی طرح قبول کر لیجئے۔

(۱۳۴)

فتادگی میں قدم استوار رکھتے ہیں
برنگِ جادہ سرِ کوئے یار رکھتے ہیں

قدم استوار رکھنا: ثابت قدمی۔ سرِ کوئے یار رکھنا: یار کے کوچے کا قصد کرنا۔ راستہ گرا پڑا ہوتا ہے لیکن یار کے کوچے میں جا کر ملتا ہے۔ ہم بھی عاجزی و خاکساری کے باب میں ثابت قدم ہیں۔ ہم بھی کوئے یار کا قصد رکھتے ہیں کیونکہ وہاں ہر فتادہ شخص پہنچ سکتا ہے۔

برہنہ مستیِ صبحِ بہار رکھتے ہیں
جنونِ حسرتِ یک جامہ وار رکھتے ہیں

برہنہ مستی: کمال میں مست ہونا۔ بے نوائی کے باوجود مست ہونا۔ صبح چونکہ رات کا جامہ چاک کر کے ظاہر ہوتی ہے اس لئے اسے برہنہ قرار دیا۔ ہم صبحِ بہار کی طرح اپنی برہنگی اور بے نوائی میں مست ہیں۔ ہمیں ایسی حسرت کا جنون ہے جو ایک جامے کی طرح ہے جسم پہ ایک

جامہ ہو تو برہنگی ہی سمجھئے۔ ایک جامۂ حسرت سے برہنہ مستی ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

طلسمِ مستیِ دل آں سوئے ہجومِ سرشک
ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں!

ہمارے پاس آنسوؤں کا ہجوم ہے۔ اس کے پرے دل کی مستی و کامرانی کا طلسم ہے۔ آنسو نہ رہیں تو مستی نصیب ہو۔ اس طرح ہمارے پاس ایک میکدہ ہے لیکن دریا کے پار۔ دریا کو آسانی پار نہیں کیا جا سکتا۔ آنسو بھی دریا ہیں۔ انھیں پار کر کے مستی تک رسائی ممکن نہیں۔ آنسو اور سرشک میں رعایت ہے

ہمیں حریرِ شرر بافِ سنگ خلعت ہے
یہ ایک پیرہنِ زر نگار رکھتے ہیں

شرر باف: چنگاریوں سے بنا ہوا۔ حریرِ شرر باف: وہ ریشمی کپڑا جس میں دھاگے کے طور پہ چنگاریاں لگائی گئی ہیں۔ حریرِ شرر بافِ سنگ: پتھروں کی چنگاریوں سے بنا ہوا سنہری کپڑا۔ ہمارے پاس حریر ہے تو شرارِ سنگ کا جو لڑکوں نے کھینچ مارے ہیں۔ اس طرح ہمارے پاس بھی ایک طلائی پیرہن ہو گیا۔

نگاہِ دیدۂ نقشِ قدم ہے جادۂ راہ
گزشتگاں اثرِ انتظار رکھتے ہیں!

اثر: نشانِ پا۔ آنکھ کسی طرف کو مسلسل نگاہ کئے رہے تو یہ کسی کے انتظار کرنے کی دلیل ہے۔ راستے سے جو لوگ گزر گئے، ان کا نقشِ قدم راستے پر موجود ہے۔ نقشِ قدم کی گولائی آنکھ کی طرح ہوتی ہے جس میں راستہ نگاہ کی طرح ہے۔ یہ مسلسل نگاہ بازی کیوں۔ گزرتے والے لوگ انتظار کے نشان دے رہے ہیں۔ اگر گزشتگاں سے مراد دنیا سے گزرنے والے لئے جائیں تو یہ کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ ظاہر ہے "پیچھے آنے والوں کا" زندہ لوگوں کا۔

ہوا ہے گریۂ بے باک ضبط سے تسبیح
ہزار دل پہ ہم اک اختیار رکھتے ہیں!

لاکھ کہا جائے کہ ہمیں دل پر اختیار ہے یہ صحیح نہیں۔ پہلے آنسو بے باکی سے دھار بن کر بہتے تھے۔ ہم نے ضبط دکھایا تو وہ پلکوں پر بوندیں بن کر رہ گئے اور مسلسل بوندیں تسبیح کی طرح ہو گئیں۔ اختیار تو جب ہوتا کہ آنسو نکلتے ہی نہیں۔ اس شعر میں غالب کی ایک شوخی دکھائی دیتی ہے یعنی شعر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں ـــ ہم نے دل میں گریہ کو ضبط کیا۔ وہاں آنسو کے ہزار قطرے جمع ہو گئے جس

تسبیح ہزار دانہ بن گئی۔ ہزار دانوں کی وجہ سے گویا ایک ہزار دل ہمارے اختیار میں آ گئے۔ دانۂ تسبیح کو دل سے تشبیہ دینا غالب کے لئے نئی بات نہیں۔ یاد کیجئے:۔

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بہ یک کف بردنِ صد دل پسند آیا

ہیچ

لباطِ ہیچ کسی ہیں برنگِ ریگِ رواں
ہزار دل بہ وداعِ قرار رکھتے ہیں

ہیچ کسی: ہیچ میرزی، کسی قابل نہ ہونا۔ اڑتے ہوئے ریت کا ذرہ ایک دل کی طرح ہوتا ہے جو چین اور قرار کو رخصت کر رہا ہو۔ ہیچ کسی کے باب میں ہمارے پاس بھی ہزار دل ہیں۔ کیسے؟ قرار سے بھرے ہوئے نہیں بلکہ قرار کو رخصت کرنے والے یعنی ہم بے کس بھی ہیں بے قرار بھی

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے غالب
لبانِ دشت، دلِ پر غبار رکھتے ہیں

دل میں غبار منجملہ اور باتوں کے حسرت کی نشانی ہے۔ ہمارے کتنے دوست بچھڑ گئے۔ ان کی فرقت کا غم اور جنون ہے جس طرح جنگل میں گرد بھری رہتی ہے اسی طرح ہمارے دل میں بھی غمِ فرقت کا غبار بھرا ہوا ہے۔

(۱۳۵)

بہ غفلت عطرِ گل، ہم آگہی مخمور ملتے ہیں
چراغانِ تماشا، چشمِ صد ناسور ملتے ہیں

شعر میں بڑی گنجلک ہے۔ دوسرے مصرع میں یہ صاف نہیں کہ تماشا کے بعد وقفہ ہو یا تماشا چشم، ایک ترکیب ہے۔ بہر حال بہترین معنی جو ممکن ہیں یہ ہیں۔ ہم آگہی مخمور ہیں یعنی آگہی کی جانب سے مخمور ہیں یعنی ہوش و حواس میں نہیں۔ اگر ہم کبھی کبھار پھول کا عطر مل لیتے ہیں تو یہ غفلتِ ہوش کے عالم ہی میں ہوتا ہے ورنہ بالعموم ہم اپنے جسم کے سو ناسوروں کی آنکھوں کو ملتے ہیں۔ ناسور کی آنکھ ملنے سے ہاتھ پر کوئی رطوبت لگے گی وہ ہمیں عطرِ گل کی بہ نسبت زیادہ مرغوب ہے دونوں مصرعوں میں "ملتے ہیں" کا فاعل "ہم" ہے۔ دوسرے مصرع میں چشمِ صد ناسور ہا کو چراغانِ تماشا قرار دیا ہے۔ اس تشریح سے تماشا کے بعد وقفہ قرار پایا۔

رہا کس جرم سے میں بے قرارِ داغ ہم طرحی
سمندر کو پرِ پروانے سے کافور ملتے ہیں!

شعر میں ملتے جلتے کئی مفاہیم کی گنجائش ہے۔ موزوں ترین یہ ہے۔ عاشق کے بارے میں کہا گیا کہ وہ سمندر کا ہم طرح ہے چونکہ ہر وقت سوزش میں مبتلا رہتا ہے۔ عاشق کا خیال ہے کہ یہ مماثلت اس کے لئے ایک داغ ہے کیونکہ بزعمِ خویش وہ سمندر پر فوقیت رکھتا ہے۔ کسی کے کافور ملنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں (۱) مرنے پر حنوط کی شکل میں لگایا جائے یا (۲) سوزش میں ٹھنڈ پہنچانے کیلئے ملا جائے۔ سمندر کا جسم اتنا گرم ہے کہ معمولی طور پر اس کے کافور نہیں ملا جا سکتا۔ اس کے لئے پرِ پروانہ کا برش لیا گیا۔ پروانے کو شمع کی لو پر گرنے کی ہمت ہوتی ہے اس لئے وہی سمندر پر کافور لگانے کا کام کر سکتا تھا۔ اگر سمندر آگ سے جل کر مر گیا تو عاشق کو اس پر فوقیت ہے کہ وہ اس سے زیادہ ضبط و برداشت کرنے والا ثابت ہوا۔ اور اسی قدر حدّت کے باوجود زندہ ہے۔ اگر سمندر آگ سے گھبرا گیا ہے اور اس لئے اُس پر کافور ملا جا رہا ہے تو بھی عاشق کو اُس پر فوقیت ہوئی کہ وہ حدّت کو دور کرنے کیلئے کافور کا سہارا نہیں ڈھونڈھ رہا۔ عاشق کہتا ہے کہ جب مجھے سمندر پر فوقیت ہے تو کس علت میں مجھے سمندر کا مماثل کہہ کے داغ دار کیا جا رہا ہے۔

چمن، نامحرمِ آگاہیِ دیدارِ خوباں ہے
سحر گل ملنے نرگس چند چشمِ کور ملتے ہیں

شاید صبح کے وقت نابینا آنکھوں پر نرگس کا پھول ملا کوئی توہم ہو کہ اس سے عودِ بینائی کا امکان ہے۔ خوباں سے مراد باغ کے حسین پھول ہیں۔ باغ دیدارِ خوباں کی قدر دانی سے واقف نہیں یعنی باغ میں ایسے لوگ نہیں آتے جو حسنِ گل کے واقف کار ہوں۔ صبح کے وقت کچھ اندھے اپنی آنکھوں پر نرگس کے پھول ملتے ہیں۔ یہ تحسینِ ناشناس ہوئی۔

کہا جوہر؟ چہ عکسِ خطِ بتاں وقتِ خود آرائی
دلِ آئینہ زیرِ پائے خیلِ مور ملتے ہیں

فولادی آئینے کا جوہر نقطوں کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے چیونٹیوں سے مشابہ ہوا۔ خط کے چھوٹے چھوٹے بال بھی خیلِ مور یعنی چیونٹیوں کے دل سے مشابہ ہوتے ہیں۔ جوہر آئینہ کا دل بھی ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جوہر کہاں ہے اور عکسِ خط کہاں ہے۔ اہلِ حسن خود آرائی کے وقت آئینے میں عکسِ خط نہیں ڈالتے بلکہ آئینے کے دل یعنی جوہر کو چیونٹیوں کے گروہ یعنی عکسِ خط کے پاؤں

تے طوار ہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بتوں کی خود آرائی دیکھ کر آئینہ تڑپ اٹھتا ہوگا۔

تماشائے بہار، آئینہ پردازِ تسلی ہے
کفِ گل برگ سے پائے دلِ رنجور ملتے ہیں

آئینہ پرداز: صیقل گر۔ بہار کا تماشا دیکھنے سے تسلی بڑھتی ہے گویا پھول کی پتی ایک ہاتھ ہے جس سے بیمار دل کے پاؤں سہلاتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ بخار میں مریض کے تلووں کو ہاتھ سے یا پتوں سے سہلایا جاتا ہے تو مریض کو آرام آتا ہے۔ بہار بھی گلبرگ کی ہتھیلیوں سے دلِ بیمار کو تسلی دے رہی ہے۔

گراں جانی سبکبار و تماشائے دماغ آیا
کفِ افسوسِ فرصت سنگِ کوہِ طور ملتے ہیں

طور پر خدا کا جلوہ چمکا۔ طور کے پتھر جل گئے۔ موسیٰ بیہوش ہوئے۔ تماشا کا تعلق حضرت موسیٰ کی قوتِ دید سے ہے اس لئے گراں جانی بھی غالباً انھیں کی ہے طور کی نہیں۔ حضرت موسیٰ کی گراں جانی شرمندہ ہوئی کہ وہ حریفِ جلوہ نہ ہو سکے بلکہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کی قوتِ تماشا نازک نکلی اور متحمل نہ ہوئی۔ دوسری طرف طور کے پتھر اس بات پر افسوس کر رہے ہیں کہ اتنی فرصت کیوں میسر ہوئی کہ جلانے والی تجلی سے سامنا کرنا پڑا۔

ممکن ہے شاعر کا عندیہ اس کے برعکس یہ ہو کہ موسیٰ کی گراں جانی اس بات پر شرمندہ ہے کہ وہ جلوے کے سامنے سخت جاں بن کر زندہ کیوں رہے۔ سنگِ طور کے افسوس کی بھی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ جلوے کی مہلت اتنی خفیف کیوں تھی۔ یہ دراز تر کیوں نہ ہوا تا کہ پہاڑ پوری طرح سے جل کر راکھ ہو جاتا۔

اسد حسرت کشِ یک داغِ مشک اندود ہے یا رب
لباسِ شمع پر عطرِ شبِ دیجور ملتے ہیں

داغِ مشک اندود: وہ داغِ زخم جس پر مشک چھڑکی گئی ہو۔ مشک زخم کے اندمال کو روک کر اسے ہرا کر دیتی ہے اور یہی شاعر کو مرغوب ہے۔ مشک سیاہ ہوتی ہے اور رات بھی سیاہ۔ عطرِ شبِ دیجور زبردستی کی نازک خیالی ہے۔ اسد کو حسرت ہے کہ اسے ایک داغ ملے اور اس پہ مشک چھڑک کر زخم کو تازہ رکھا جائے لیکن اسے تو یہ نعمت دی نہیں گئی۔ اس کے مقابلے میں شمع کے لباس میں کالی رات کو عطر ملتے ہیں۔ عطرِ شب ملنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) شمع جل کر ایک سیاہ داغ رہ جاتی ہے گویا شمع کے ظاہر پر کالی رات کا کالا عطر ملا گیا۔ (۲) شمع رات کی

سیاہی میں جلائی جاتی ہے یعنی رات سے گھری ہوتی ہے اس طرح اس کے لباس پر عطرِ شب ملا۔ شمع کو عطر نصیب ہے مجھے "داغ" بھی نہیں دیا گیا۔

(۱۳۶)

ہوئی ہیں آب، شرمِ کوششِ بے جا سے تدبیریں
عرق ریزِ تپش ہیں موج کی مانند زنجیریں

مجھے اسیر کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ بے موقع اور بے سود تھی۔ تدبیر شرم کے مارے پانی پانی ہو گئی۔ جن زنجیروں سے مجھے اسیر کیا گیا وہ اتنی تڑپیں کہ ان میں سے پسینہ نکلنے لگا۔ چونکہ تڑپ بے نہایت تھی اس لئے پسینہ بھی بہت آیا۔ اس حد تک کہ زنجیر موجِ آب کی طرح ہو گئی۔ جسمانی محنت سے پسینہ آتا ہے۔ تڑپ میں جسم حرکت کرتا ہے اس لئے پسینہ آیا۔ زنجیر کو موج سے مشابہ کرنے کی دو وجہیں ہیں دونوں کا پانی سے بھرا ہونا اور دونوں کا تڑپنا۔

خیالِ سادگی ہائے تصور، نقشِ حیرت ہے
پرِ عنقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچے ہے تصویریں

آج کل ہمارا تصور کتنا خالی اور سادہ ہے اس کا خیال کرتا ہوں تو یہ نقشِ حیرت بن جاتا ہے نقش کو آئینے کی طرح حیران باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی جس طرف کو دیکھتا ہے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ خیالِ سادگی کا نقشِ حیرت ہونے سے مراد ہے کہ تصور کی سادگی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ تصور کی سادگی کا مبالغہ دیکھئے۔ عنقا ناپید پرندہ ہے۔ رنگِ رفتہ: اڑا ہوا رنگ یعنی جو کبھی موجود تھا لیکن اب نہیں ہے۔ معدوم پرندے کے پروں پہ معدوم رنگ سے جو تصویریں بنائی جائیں گی وہ خود معدوم ہوں گی۔ ہمارے تصور میں صرف ایسی تصویریں ہیں اور بس یعنی تصور ہر قسم کی تصویروں سے معرا ہے۔

زبس ہر شمع یاں آئینۂ حیرت پرستی ہے
کرے ہیں غنچۂ منقارِ طوطی نقشِ گل گیریں

گل گیر: قینچی جس سے شمع کا گل کاٹتے ہیں۔ شاعر کے ذہن میں آیا کہ شمع کی سیاہی کو گل کیوں کہتے ہیں اسے غنچہ کیوں نہ کہا جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ منقار کو غنچے سے تشبیہ دیتے ہیں اس لئے گلِ شمع کو غنچۂ منقارِ طوطی قرار دیا جائے۔ طوطی کا تعلق آئینے سے ہے کیونکہ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر بولنا سکھایا جاتا ہے۔ چونکہ شاعر نے کہا ہے کہ قینچی غنچۂ منقارِ طوطی کے

نقش جاتی ہے اور منقارِ طوطی کا عکس آئینے میں دکھائی دیتا ہے اس لئے شمع کو آئینہ قرار دیا آئینہ حیران ہوتا ہے اس لئے شمع کو آئینۂ حیرت پرستی کہا۔ غرض شعر چند در چند مناسبات شاعرانہ کا گورکھ دھندا ہے۔

سپند آہنگیِ ہستی و سعیِ نالہ فرسائی
غبار آلودہ ہیں، جوں دودِ شمعِ کشتہ تقریریں

ہستی سپند آہنگ ہے یعنی سپند کا سا ارادہ رکھتی ہے۔ سپند کو آگ پر ڈالا وہ ایک آن میں چٹخا اور ختم ہوا۔ ہستی اتنی مختصر ہے جتنا سپند کا آگ پر چٹخنا۔ اتنی مختصر فرصت میں نالہ کرنے کی کیا کوشش کی جائے۔ اور وہ کیا کامیاب ہوگی۔ شمع کو بجھایا جائے تو اس کا دھواں غبار آلودہ ہوتا ہے۔ اس سے کسی شے پر سیاہی پاری جاسکتی ہے۔ تقریر کی صلاحیت بھی اسی طرح غبار آلودہ ہوگئی ہے۔ گلے میں غبار چلا جائے تو بولنا مشکل ہے۔ زندگی کا اختصار اور موت کا ہر دم دھڑکا لیے بھی مجازی معنی میں دل کو غبارِ ملال سے بھر دیں گے۔ اس طرح زندگی بہت مختصر ہونے کی وجہ سے نہ آواز نکالنا ممکن ہے نہ نالہ کرنا۔

ہجومِ سادہ لوحی، پنبۂ گوشِ حریفاں ہے
وگرنہ خواب کی مضمر ہیں افسانے میں تعبیریں

خواب دیکھنے کے بعد اس کا قصہ بیان کیا جائے۔ لوگ قصہ سن لیتے ہیں اس کی تعبیر نہیں جان پاتے حالانکہ تعبیر تو رودادِ خواب میں پوشیدہ ہے۔ یہ قصۂ خواب سننے والے بے وقوف ہیں۔ ان کی بے وقوفی ان کے کانوں میں روئی کی طرح ہے کہ یہ قصہ کا اصل مطلب نہیں سن پاتے یا گرفت نہیں کر سکتے۔

بتانِ شوخ کی تمکینِ بعد از قتل کی حیرت
بیاضِ دیدۂ نخچیر پر کھینچے ہے تصویریں

شوخ حسینوں نے ایک صید کو قتل کیا اور اس کے بعد بڑی شان اور استقلال کا مظاہرہ کیا۔ نخچیر یہ دیکھ کر حیران ہوا اور اس نے اس دبدبہ کی تصویر اپنی آنکھ پر کھینچ لی۔ بیاض: سادہ کاپی۔ آنکھ کی پتلی بھی بیاض ہو سکتی ہے یہ مشہور ہے کہ سانپ کو مارا جائے تو اس کی آنکھ کی پتلی پر قاتل کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ سانپ کا جوڑا اس تصویر کو دیکھ کر قاتل کو تلاش کر لیتا ہے اور کاٹ لیتا ہے۔ کچھ ایسی ہی بات یہاں ہے کہ حیرت نے صیدِ مقتول کی آنکھ پر حسین قاتل کے ٹھٹھنے کی

تصویر بنادی ہے۔

اسد طرزِ عروجِ اضطرابِ دل کو کیا کہیئے
سمجھتا ہوں تپش کو الفتِ قاتل کی تاثیریں

اے اسد دل کے تڑپنے کی افراط کا کیا بیان کروں۔ میں تڑپ کو عشق قاتل کی تاثیر سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں قاتل سے مراد محض محبوب ہے۔ اس شعر کو لازماً قتل کے بعد کا قرار دینے کی ضرورت نہیں اور اگر یہی فرض کیا جائے تو قتل کے بعد جسم کی طرح دل بھی تڑپا۔ اس تڑپ کو میں نے اس محبت کا اثر سمجھا جو قاتل کے دل میں میرے لئے پیدا ہوئی ہے۔

(۱۳۷)

بے دماغی حیلہ جوئے ترکِ تنہائی نہیں
ورنہ کیا موجِ نفس، زنجیرِ رسوائی نہیں

میں گوشۂ تنہائی میں رہتا ہوں اس پر لوگ رسوا کرتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ خلوت میں کیا کرتا ہے۔ میں اس حیلے کو لے کر ترکِ تنہائی کر سکتا تھا لیکن میری بے دماغی اس کے لئے آمادہ نہیں۔ لوگ میری خلوت نشینی کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں ان کی افواہیں مل کر زنجیرِ رسوائی بن گئی ہیں لیکن مجھے رسوائی کا کوئی خوف نہیں۔ میں سانس لیتا ہوں زندہ ہوں اور زندگی خود ایک اتہام ہے اور عاشق کے لئے مقامِ رسوائی۔ پہلے مصرع کے معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے ترکِ تنہائی کر دیا ہے لیکن ہماری بے دماغی اس کیلئے کوئی حیلہ، صفائی یا جواز نہیں ڈھونڈتی۔ یہ تشریح سندیلوی نے کی ہے لیکن میں پہلی تشریح کو ترجیح دوں گا۔

وحشیِ خو کردۂ نظارہ ہے حیرت، جسے
حلقۂ زنجیر، جز چشمِ تماشائی نہیں

غالب کے اشعار میں حیرت کا لفظ برمحل اور بے محل جگہ جگہ استعمال ہوتا ہے۔ موجبِ حیرت اکثر واضح نہیں ہوتا۔ عاشق زنجیر میں بندھا ہوا ہے۔ اس کی حیرت کو کوئی پروا نہیں کیونکہ حیرت وحشی ہے اور اسے نظارہ بازی کا شوق ہے۔ اس کے لئے زنجیر کا حلقہ قید و بند کی علامت نہیں بلکہ تماشا دکھانے والی آنکھ ہے۔ حلقۂ زنجیر کو حلقۂ چشم سے مشابہ کیا ہے اس کے علاوہ شعر میں کوئی خاص بات نہیں۔

قطرے کو جوشِ عرق کرتا ہے دریا دستگاہ
جز حیا، پرکارِ سعیِ بے سر و پائی نہیں

عاجز آدمی کو غیرت آتی ہے تو جد و جہد کر کے بڑا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ غیرت و شرم میں پسینہ آتا ہے۔ قطرۂ آب بے سر و پا ہوتا ہے۔ اسے اپنی درماندگی پر شرم کی وجہ سے بہت پسینہ آیا اور وہ دریا کی طرح ہو گیا کیونکہ ناتوانی کے لئے حیا و غیرت کے علاوہ اور کوئی ایسی تحریک نہیں جو ان کے دائرے کو وسیع کر دے۔ پرکارِ سعی: وہ کوشش جو کسی چیز کو بڑھا دے جس طرح پرکار ایک نقطے کے گرد بڑا سا دائرہ بنا دیتا ہے۔

چشمِ نرگس میں نمک بھرتی ہے شبنم سے بہار
فرصتِ نشو و نما، سازِ شکیبائی نہیں

آنکھ میں نمک بھرنا: آنکھ کو اندھا کرنا۔ بہار چشمِ نرگس پر شبنم گرا کر در اصل اس کی بربادی کا سامان کرتی ہے۔ وہ کس طرح؟ ایک دو دن اوس پڑے گی اور اس عرصے میں پھول مرجھا کر بکھر جائے گا۔ اس طرح یہ مدت جس میں بظاہر نشو و نما کی فرصت ہے اس میں بھی پھول کو اطمینان کا سانس نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ تو زوالِ ذلیست کا سلسلہ ہے اس لئے صبر و سکون کا سامان نہیں۔ اُردو میں اوس پڑنا تباہی کو کہتے ہیں۔

کس کو دوں یارب حسابِ سوزنا کی ہائے دل
آمد و رفتِ نفس جز شعلہ پیمائی نہیں

میرا دل سوزش سے بھرا ہوا ہے۔ اس کی جلن کا کس کو اور کیونکر حساب دوں کیونکہ اب تو میرے سانس کی آمد و رفت محض شعلہ اگلنا ہے اور بس۔ سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔

مت رکھ اے انجام غافل، سازِ ہستی پر غرور
چیونٹی کے پر، سر و برگِ خود آرائی نہیں

اے انجام سے غافل شخص دُنیا کے ساز و سامان پر غرور نہ کر۔ چیونٹی کے پر آرائش کا سامان نہیں موت کی خبر دیتے ہیں۔ دنیوی سامان چیونٹی کے پر کی خاصیت رکھتا ہے۔ پرندوں کے پر آرائش کا باعث ہوتے ہیں لیکن برسات میں چیونٹی یا مکوڑے کے پر نکلنا اس کی موت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

سایۂ افتادگی بالین و بستر ہوں، اسدؔ
جوں صنوبر، دل سراپا قامت آرائی نہیں

افتادگی بالین: وہ شخص جس کیلئے عاجزی اور خاکساری تکیہ ہو۔ افتادگی بالین و بستر: وہ

شخص جس کے لئے افتادگی تکیہ و بستر ہو۔ میں ایسا سایہ ہوں جس کے لئے عاجزی و خاکساری ہی اوڑھنا بچھونا اور سہارا ہے۔ صنوبر سر سے پاؤں تک اپنے قامت کی آرائش میں مشغول رہتا ہے۔ میرا دل اس قماش کا نہیں۔ صنوبر کا قد مشہور ہے۔ افتادگی اور قدِ بالا میں تضاد ہے۔

(۱۳۸)

ظاہرا سر پنجۂ افتادگاں گیرا نہیں
ورنہ کیا حسرت کشِ دامن یہ نقشِ پا نہیں

یہ ظاہر ہے کہ جو گرے پڑے خاکسار بے نوا ہیں وہ کسی پر زور نہیں دکھا سکتے ورنہ عاشق جو نقشِ پا کی طرح فتادہ ہے کیا محبوب کا دامن پکڑ کر کھینچنے کی حسرت نہیں رکھتا۔ گیرا: جس میں گیرائی یا گرفت ہو۔

آنکھیں پتھرائی ہیں، نامحسوس ہے تارِ نگاہ
ہے زمیں از بسکہ سنگیں، جادہ بھی پیدا نہیں

عاشقِ بیمار کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں ان میں سے نگاہ کا تار نکلتا محسوس نہیں ہوتا۔ بیماری یا نزع کا وقت ایسی پتھریلی زمین کی طرح ہوتا ہے جس میں قطعِ راہ کے لئے کوئی پتلا سا راستہ بھی نہیں ملتا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں کو سنگیں زمین کہا اور تارِ نگاہ کو جادہ۔

ہو چکے ہم جادہ ساں صد بار قطع اور پھر ہنوز
زینتِ یک پیرہن، جوں دامنِ صحرا نہیں

شعر کا خیال قطع اور دامن کے دوسرے معانی پر مبنی ہے۔ قطع راستہ طے کرنے کو بھی کہتے ہیں اور کپڑا کاٹنے کو بھی۔ دامن جنگل کی پہنائی کو بھی کہتے ہیں اور پیرہن کے گھیر کو بھی جس طرح صحرا کے راستے کو بار بار قطع کیا جاتا ہے اس طرح ہمیں بھی بار بار قطع کیا گیا جس طرح صحرا کا دامن کسی کے پیرہن کا دامن نہیں بن جاتا اسی طرح ہم بھی کسی کے پیرہن کی زینت نہ بن پائے۔ یعنی کسی حسین نے ہمیں اپنے سینے یا آغوش میں جگہ نہ دی۔

ہو سکے ہے پردۂ جوشیدنِ خونِ جگر
اشک، بعدِ ضبط غیر از پنبۂ مینا نہیں

ہمارے جگر میں خون جوش کھا رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ اندرونی کیفیت اوروں سے پوشیدہ رہے۔ اگر ہم آنسوؤں کو ضبط کر لیں تو یہ جگر کی کیفیت پر پردہ ڈال سکے گا کیونکہ ضبط کئے

ہوئے آنسو صراحی کی اس روئی کا خواص رکھتے ہیں جو ڈاٹ کے طور پر لگا کر جوشِ مے کو روکنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ ضبطِ اشک جوشِ خون پر کاگ کا کام کرے گا۔

ہو سکے کب کلفتِ دل مانعِ سیلانِ اشک گردِ ساحل، سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں

دردِ دل آنسوؤں کے بہنے کو نہیں روک سکتا۔ ثبوت یہ ہے کہ اگر دریا کا پانی پھیل کر ساحل پر اُمنڈ آتا ہے تو گردِ ساحل اس کے یلغار کو نہیں روک سکتی۔ دل کی تکلیف گردِ غم ہے اور آنسو دریا۔ سنگِ راہ : راستہ روکنے والا پتھر

ہے طلسمِ دہر میں صد حشرِ پاداشِ عمل آگہی غافل! کہ ایک امروز بے فردا نہیں

شعر کی مندرجہ بالا قرأت نسخۂ عرشی کے مطابق ہے۔ اس میں حشرِ پاداش ایک ترکیب ہے۔ حشرِ پاداش: سزا کے طور پر حشر نازل ہونا۔ حشرِ پاداشِ عمل: عمل کی سزا کے طور پر حشر برپا کرنا۔ اے غافل دنیا میں آگاہ ہو کر تو جو بھی عمل کرے گا اس کے نتیجے یا سزا کے طور پر تجھے سو قیامتوں کا سامنا کرنا پڑے گا کوئی آج بغیر فردا کے نہیں کوئی کام بغیر سزا و جزا کے نہیں ہوتا۔ اس طرح شعر کے جزوِ اوّل کی نثر ہوگی۔ غافل! طلسمِ دہر میں آگہی صد حشرِ پاداشِ عمل ہے۔ میری رائے میں اس شعر کی صحیح اور سہل تر قرأت یہ ہے۔

ہے طلسمِ دہر میں، صد حشرِ پاداشِ عمل
آگہی غافل! کہ ایک امروز بے فردا نہیں

نثر ہوئی آگہی غافل، طلسمِ دہر میں پاداشِ عمل صد حشر ہے یعنی ہوئے کہ اے ہوش و آگہی سے غافل، دنیا کے جادو کے کارخانے میں جو بھی کرم کرو گے اس کی سزا سو قیامتوں کے روپ میں ملے گی کیونکہ جس طرح ہر امروز کے بعد فردا کا آنا ضروری ہے اسی طرح ہر کام کے بعد کوئی سزا ملتی ہے شعر میں ترکِ عمل کی تلقین ہے۔ دوسرے معنی بہتر ہیں اور یہی سرخوش، سندیلوی اور آسی نے درج کئے ہیں۔

لبسمل اس تیغِ دو دستی کا نہیں بچتا، اسد
عاقبت بیزار، ذوق کعبتیں اچھا نہیں

نسخۂ بھوپال اور نسخۂ حمیدیہ میں عافیت ہے چونکہ نسخۂ عرشی میں اختلافِ نسخ میں عافیت نہیں دیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسخۂ عرشی میں عاقبت سہوِ طباعت ہے۔ کعبتیں: دو چکور پانسے جن سے جوا کھیلتے ہیں غالب کو جوئے کا شوق تھا جس میں وہ ماخوذ بھی ہوئے تھے چونکہ جوا دو پانسوں سے کھیلا جاتا ہے اس لئے اسے تیغِ دو دستی سے کہا اس کا مارا بچتا نہیں۔ ان کا ذوق کرنے والا عاقبت یا عافیت کی طرف سے غافل ہے۔

(۱۳۹)

ضبط سے مطلب بجز وارستگی، دیگر نہیں
دامنِ تمثال، آبِ آئینہ سے تر نہیں

ہم نے آنسوؤں کو اس لئے ضبط کیا ہے تاکہ عشق کی رسوائی یا باقاعدہ لوازماتِ عشق سے محفوظ رہیں۔ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر آنسو ہمارے باطن میں موجود ہیں تو ہم عشق کی علت سے کہاں آزاد ہوئے۔ ہم تو نالہ و فریاد کرنے والے عاشق کی طرح گرفتار ہی رہے۔ لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں۔ آئینے پر قلعی کی آب ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اس کے اندر جب کوئی عکس دکھائی دیتا ہے تو وہ آبِ آئینہ کی وجہ سے تر نہیں ہو جاتا۔ ہمارا بھی ضبطِ اشک سے صرف یہی مقصد ہے کہ ہم عاشقوں کے بدنام زمرے سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ آب کے دو معنوں چمک اور پانی پر اس شعر کا مضمون تعمیر کیا گیا ہے۔

ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

اہلِ دل سے مُراد عارف لے لیجئے۔ صوفی اور درویش کی قدر اپنے وطن میں نہیں ہوتی۔ موتی جب تک صدف کی تنہائی میں رہتا ہے اس کی قیمت سے کوئی آشنا نہیں ہوتا۔ عارف اور موتی میں نورانیت وجہِ اشتراک ہے۔

باعثِ ایذا ہے، برہم خوردنِ بزمِ سرور
لخت لختِ شیشۂ بشکستہ جز نشتر نہیں

بزمِ سرور کے بکھر جانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بزمِ نشاط کی ایک چیز شیشۂ مے کو لے لیجئے۔ اگر شیشہ ٹوٹ کر اس کے ٹکڑے بکھر جائیں تو وہ ہاتھ پاؤں کے لئے نشتر بن جائیں گے۔ اسی پر بزمِ سرور کی دوسری اشیا کو قیاس کر لیجئے۔

واں سیاہی مردمک ہے اور یاں داغِ شراب
مہ حریفِ نازشِ ہم چشمیِ ساغر نہیں

واضح نہیں کہ واں اور یاں سے کیا مراد ہے۔ غالب کے بعض اشعار میں ایک سے زیادہ معانی کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس شعر کے یہ معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) چاند کی آنکھ کی پتلی محض سیاہی کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہے۔ پیالے کی آنکھ کی پتلی داغِ شراب کی شکل میں ہے اس لئے چاند پیالے کی برابری

کا دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ پیالے کی مردمک بہتر ہے۔ (۲) چاند ساغر کی برابری کا ناز نہیں کرسکتا چاند میں سیاہی محض آنکھ کی پتلی کی طرح ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں۔ ساغر میں سیاہی داغِ شراب ہے اور فخر کی بات ہے (۳) چاند ساغر کی برابری نہیں کرسکتا کیونکہ ساغر میں سیاہی محبوب کی مردمک کے عکس کی ہے اور چاند میں سیاہی شراب نہ ملنے کی حسرت کے داغ کی ہے محبوب ساغر کو ہاتھ میں لئے ہے اس لئے ساغر میں آنکھ کا عکس پڑ رہا ہے (۴) والی اشارہ محبوب کی طرف اور پیالے سے ساغرِ شراب کی طرف۔ محبوب کے پاس پتلی کی سیاہی ہے۔ ساغرِ شراب میں محبوب کی پتلی کا عکس پڑ رہا ہے جو سطحِ شراب پر دھبے کی مانند ہے۔ اس طرح ساغر کو محبوب کے ساتھ ہم چشمی کا ناز ہے۔ چاند اس ہم چشمی پر ناز نہیں کرسکتا کیونکہ محبوب کے ساتھ یہ ہم چشمی چاند کے نصیب میں نہیں۔

ہے فلک بالانشیں فیضِ خم گردیدنی
عاجزی سے ظاہرا رتبہ کوئی برتر نہیں

آسماں خم ہوا جس کے فیض سے وہ بالانشین ہو گیا۔ خم ہونا عاجزی ظاہر کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عاجزی سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں۔

دل کو اظہارِ سخن، اندازِ فتح الباب ہے
یاں صریرِ خامہ، غیر از اصطکاکِ در نہیں

اصطکاک: دو سخت چیزوں کے ٹکرانے سے آواز پیدا ہونا۔ اصطکاکِ در: سخت دروازہ کھولنے کی آواز۔ شعر میں اپنے خیالات کا اظہار دروازہ کھولنے کے مانند ہے۔ قلم کے گھسنے کی آواز کواڑوں کے کھلنے کی آواز ہے۔ یعنی شعر سے ہماری شخصیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے یا ہمارے بند کاموں کی کشود ہونے لگتی ہے۔

کب تلک پھیرے اسد لبہائے تفتہ پر زباں
تابِ عرضِ تشنگی اے ساقیِ کوثر نہیں

ہونٹوں پر زبان پھیرنا پیاس کی نشانی ہے۔ اے ساقیِ کوثر! اسد کب تک تپتے ہوئے ہونٹوں کو زبان پھیر کر تر کرے۔ پیاس کی شدت بیان نہیں کی جا سکتی۔

(۱۴۰)

دیکھئے مت چشمِ کم سے سوئے ضبط افسردگاں
جوں صدف پُر دُر ہیں دنداں در جگر افسردگاں

چشمِ کم: کسی کو حقیر سمجھ کر اس پر توجہ نہ کرنا۔ دنداں در جگر افشردن: مکروہات برداشت کرنا یا سخت اور دشوار کام کرنے کی جرأت کرنا۔ جو لوگ ضبطِ غم کرکے افسردہ ہیں انہیں بے التفاتی سے نہ دیکھو۔ مصائب اٹھانے والے بہادر لوگ صدف کی طرح موتیوں سے بھرے ہیں اس لئے بیش قیمت ہیں۔ ظاہرا جگر کو صدف اور دنداں کو موتی سے مشابہ کیا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے ضبطِ غم کی صلاحیت کو موتی کے برابر قیمتی قرار دیا ہے۔

گرمِ تکلیفِ دلِ رنجیدہ ہے ازبسکہ، چرخ
قرصِ کافوری ہے مہر، از پئے سرما خوردگاں

آسمان دلِ رنجیدہ کو تکلیف پہنچانے میں مشغول ہے۔ سورج جو گرمی دیتا ہے سردی کھائے ہوؤں کے لئے کافور کی ٹکیہ بن کر رہ گیا ہے۔ کافور ٹھنڈا اور سفید ہوتا ہے۔ ضد کی وجہ سے آسمان نے سورج کا خواص بدل دیا۔

رنجشِ دل یک جہاں ویراں کرے گی، اے فلک
دشت ساماں ہے، غبارِ خاطرِ آزردگاں

احساسِ غم کو مجازاً دل کا غبار کہا جاتا ہے۔ اے آسمان دکھی لوگوں کے دل میں اتنا غبارِ غم بھرا ہوا ہے کہ اسے باہر کر دیا جائے تو پورا جنگل پیدا ہو جائے۔ ان کے دل کا رنج پوری دنیا کو ویران کرکے رہے گا۔ کیونکہ اپنا غبار نکال کر رہیں گے جس سے ساری دنیا غبار میں دب جائے گی اور ویران ہو جائے گی۔

ہاتھ پر ہو ہاتھ، تو درسِ تاسف ہی سہی
شوق مفتِ زندگی ہے، اے بہ غفلت مردگاں

درسِ تاسف کے لفظ ہی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بھی شوق کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ زندگی میں کسی نہ کسی طرح کا شوق بغیر محنت کے ممکن ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے کاہلوں کی طرح پڑے ہیں انہیں دنیا کی طرف سے غفلت ہے۔ وہ غفلت میں ایسے مدہوش ہیں جیسے مردے ہوں۔ ان سے کہا ہے کہ زندگی میں کوئی شوق اور اس کے زیرِ تحریک جد و جہد ہونی چاہیئے۔ تم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہو تو دنیا کو دیکھ کر افسوس و عبرت کا احساس دل میں جاگزیں کرو۔ اور اس سے سبق حاصل کرو۔ اسی طرح تم غفلت کے شکار تو نہ ہوگے۔ تمہاری آنکھ تو کھلی رہے گی۔ تمہیں ایک منفی قسم کا شوق ہوگا یعنی کچھ نہ کرکے افسوس کا سبق حاصل کرنا۔ افسوس میں ہاتھ

پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

خار سے گل سینہ افگارِ جفا ہے اے اسد
برگ ریزی ہے پرافشانیِ ناوک خوردگاں

پرافشانی : پر جھاڑنا یا ترکِ دنیا کرنا۔ کانٹے کی وجہ سے پھول کا سینہ زخمی ہے پھول کی پنکھڑیاں گرنے لگتی ہیں۔ یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے تیر کھانے کے بعد پرندہ گر کر پر جھاڑنے لگے جو اس کی بے بسی اور حالِ زار کی نشانی ہے۔

(۱۴۱)

فلکِ سفلہ بے محابا ہے
اس ستم گر کو انفعال کہاں

کمینہ آسمان بے جھجک ظلم کرتا ہے۔ اسے ندامت کا احساس نہیں۔ محابا کے لغوی معنی مروت اور اندیشہ کے ہیں۔ بے محابا : بے مروت یا بے اندیشہ یعنی بے جھجک اردو میں یہ لفظ موخر الذکر معنی میں آتا ہے۔

بوسے میں وہ مضائقہ نہ کرے
پر مجھے طاقتِ سوال کہاں

طاقت سے مراد غالباً یہ نہیں کہ نقاہت کی وجہ سے بول ہی نہیں سکتا بلکہ طاقت سے مراد مجال اور جرأت ہے۔ وہ بوسہ دینے میں تامل نہ کرے گا لیکن مجھے مانگنے کی ہمت نہیں۔

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل
بادۂ غالب، عرقِ بید نہیں

عرقِ بید سے مراد بید مشک کا عرق نہیں۔ بید کے پیڑ میں پھل نہیں آتا گویا بید کا درخت لگانا بے حاصل ہے۔ اسی درخت کے عرق کو بھی غالب نے بے حاصل قرار دیا۔ کہتے ہیں شراب بید کے عرق کی طرح بے حاصل نہیں۔

(و)

(۱۴۲)

بہم بالیدنِ سنگ و گلِ صحرا یہ چاہے ہے
کہ تارِ جادہ بھی کہسار کو زنارِ مینا ہو

زنارِ مینا : اگر بوتل آدھی بھری ہو تو بھرا اور خالی حصے کے درمیان جو حد و خط دکھائی دے گا اسے زنارِ مینا کہتے ہیں۔ پہاڑ پر نچلے حصے میں سبزہ اور جنگلی پھول اُگے ہیں۔ اوپر کے حصے میں بنجر پتھر ہیں پھولوں کی پتی اور پتھروں کے دامن کے گرد اگرد ایک پتلا سا جادہ ہے جو زنارِ مینا کا کام دے رہا ہے۔

حریفِ وحشتِ نازِ نسیمِ عشق جب آؤں
کہ مثلِ غنچہ سازِ یک گلستاں دل مہیا ہو

یک گلستاں دل : ایسا دل جو باغ کی طرح رنگین ہو۔ سازِ یک گلستاں دل : دل کو باغ و بہار بنانے کا سامان۔ اگر غنچے کی طرح میرے پاس ایسا دل ہو جو پھول بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو میں نسیمِ عشق کی وحشت کو قبول کر سکتا ہوں یعنی اگر رنگین دل ہو تو عشق پیشگی اختیار کی جا سکتی ہے۔

بجائے دانہ خرمن یک بیاباں بیضۂ قمری
مرا حاصل وہ نسخہ ہے کہ جس سے خاک پیدا ہو

بیضۂ خاکستر کی طرح کی ترکیب بیضۂ قمری ہے۔ قمری کفِ خاکستر ہوتی ہے اس لئے بیضۂ قمری وہ شے ہوئی جو خاکستر کو جنم دے۔ یک بیاباں بیضۂ قمری : بیضۂ قمری کا جنگل یعنی بہت سارے بیضہ ہائے قمری۔ میں نے کوشش کر کے جو پیداوار کی وہ اناج کے دانوں کا خرمن نہیں بلکہ قمری کے انڈوں کا خرمن ہے جس سے صرف راکھ اور خاک پیدا ہوگی۔ یعنی سوا ناکامی کے کچھ حاصل نہیں۔

کرے کیا سازِ بینش وہ شہیدِ دردِ آگاہی
جسے موئے دماغِ بے خودی خوابِ زلیخا ہو

موئے دماغ : وہ شخص جو مخلِ صحبت ہو۔ موئے دماغِ بے خودی : وہ چیز جو بیخودی کو ناگوار ہو۔ خوابِ زلیخا : زلیخا نے عالمِ تنہائی میں تین بار حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا تھا۔ گویا خوابِ زلیخا اچھے سے اچھا خواب ہے۔ کسی کو بے خودی پسند ہے اور ہوش و آگاہی و دانش و بینش ناپسند ہیں۔ بے خود کو خوشگوار سے خوشگوار خواب بھی ناپسند ہو۔ جسے آگہی سے درد ہوتا ہو وہ بینش یعنی علم کی کیا فکر کرے۔

وہ دل کیوں شمع بہرِ دعوتِ نظارہ لا یعنی
نگہ لبریزِ اشک و سینہ معمورِ تمنا ہو

حسن کی طرف سے نظارے کی دعوت دی گئی ہے اس کے لئے شمع جیسا رقیق و پرسوز دل ہونا چاہیئے۔ نگاہ آنسوؤں سے اور سینہ تمنا سے بھرا ہوا ہو۔ شمع کی نگاہ بھی آنسو برساتی ہے۔ موم کی پگھلتی ہوئی بوندوں کو آنسو کہا ہے۔ لپٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سینہ تمنا سے بھرا ہوگا۔ نظارۂ محبوب کیلئے اس وضع کا دل چاہیئے۔

نہ دیکھیں روئے یک دل سرد غیر از شمعِ کافوری
خدایا، اس قدر بزمِ اسدؔ گرمِ تماشا ہو

سرد: افسردہ۔ خدایا اسدؔ کی بزم میں اتنے حسین جمع ہوں اور ان کی وجہ سے محفل میں اتنی گرمی آئے کہ کسی کا دل افسردہ نہ رہے سوائے شمع کافوری کے۔ کافور ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس لئے شمعِ کافوری کا دل ٹھنڈا یعنی افسردہ ہو سکتا ہے۔

(۱۴۳)

اگر وہ آفتِ نظارہ جلوہ گستر ہو
ہلالی، ناخنکِ دیدہ ہائے اختر ہو

ناخنہ: چشم شب کنایہ ہے ہلال سے۔ ناخنک: آنکھ کی ایک بیماری ہے جو کافی تکلیف دہ ہے۔ ناخن در دیدہ رکھتن: بہت رنج و آزار دینا۔ ان سب رعایتوں کو ذہن میں رکھئے۔ آفتِ نظارہ ان کا محبوب ہے۔ اگر وہ اپنا جلوہ دکھائے تو ہلال اختر کی آنکھوں کے لئے موجبِ آزار ہو یعنی تارے محبوب کے جلوے کے سامنے ہلال کو ناپسند کریں۔

بیادِ قامت اگر ہو بلند آتشِ غم
ہر ایک داغِ جگر آفتابِ محشر ہو

قیامت کے روز آفتاب سوا نیزے پر اتر آئے گا اس لئے بہت گرم ہوگا۔ محبوب کے قیامت جیسے قد کی یاد میں، اگر غم کی آگ بھڑک اٹھے تو جگر کا ہر داغ قیامت کے سورج کی طرح جلنے لگے۔

ستم کشی کا کیا، دل نے حوصلہ پیدا
اب اس سے ربط کروں، جو بہت ستم گر ہو

دل کو ستم اٹھانے کی عادت ہو گئی ہے۔ اب ایسے حسین سے عشق کروں جو بہت ستم کرتا ہو۔

عجب نہیں ہے کہ تحریرِ حالِ گریۂ چشم
بروئے آب جو، ہر موج، نقشِ مسطر ہو

مسطر سے نشان ڈال کر کاغذ پر سطریں بنائی جاتی ہیں۔ آنکھوں سے بہت آنسو نکلتے ہیں کیا عجیب ہے کہ صفحۂ آب پر ان کی تفصیل رقم کرنے کیلئے موجِ آب سطروں کا نشان بن جائیں۔ موجوں اور آنسوؤں میں رعایت ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ نقش بر آب فانی و معدوم بے سود ہوتا ہے۔ گریہ کی تفصیل کا رقم کرنا بھی اسی طرح بے سود و بے اثر رہے گا۔

امیدوار ہوں تاثیرِ تلخ کامی سے
کہ قندِ بوسۂ شیریں لباں مکرر ہو

تلخ کامی: بلفظی معنی منہ کا ذائقہ کڑوا ہونا یعنی مصیبتوں اور ناکامیوں کا منہ دیکھنا۔ کسی کا ذائقہ کڑوا ہوگا، تو ایک بار مٹھائی کھانے سے معمول پر نہ آئے گا۔ ضرورت ہے کہ دوبارہ کھائی جائے۔ میں اپنی تلخ کامی کی وجہ سے امید کرتا ہوں کہ میٹھے ہونٹوں والے اپنے بوسے کی قند دوبارہ عطا کریں گے۔ قندِ مکرر اس قند کو کہتے ہیں جو دوبارہ آگ پر صاف کی گئی ہو۔ اور یہ بہت صاف ستھری ہوتی ہے۔

صدف کی ہے ترے نقشِ قدم میں کیفیت
سرشکِ چشمِ اسدؔ کیوں نہ اس میں گوہر ہو

تیرا نقشِ قدم صدف سے ملتا جلتا ہے۔ اسدؔ کی آنکھ اس پر کیوں نہ آنسو ٹپکائے تاکہ صدف میں گوہر ہو جائے۔ نقشِ قدم کو دیکھ کر محبوب کی یاد آئی اور آنسو جاری ہو گئے۔

(۱۴۴)

بے درد، سر بہ سجدۂ الفت فرو نہ ہو
جوں شمع، غوطہ داغ میں کھا، گر وضو نہ ہو

نسخۂ عرشی میں "بے دردِ سر" ہے اور نسخۂ بھوپال میں درد اور سر کے بیچ اضافت نہیں اور میرے نزدیک یہی مرجح ہے کیونکہ دردِ سر پریشانی کی چیز کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے ع یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے۔ عشق کو دردِ سر نہیں کہا جاتا ہے۔ شعر کا مطلب ہے کہ عشق میں محبوب کے سامنے سجدہ کرنا ہے تو یہ ضروری ہے کہ دل میں درد بھی ہو۔ شمع آخر کار جل کر سر فرو کرتی ہے۔ آخر میں بجھ جانے پر اس کا محض ایک داغ رہ جاتا ہے گویا شمع نے داغ میں غوطہ لگا لیا۔ عاشق کو بھی چاہیئے کہ عشق میں سر فرو کرنے کے لئے اگر وضو نہ کیا ہو تو اس سے بہتر شکل یہ ہے کہ سراپا داغ ہو کر اس میں ڈوب جا۔

دل دے کفِ تغافلِ ابروئے یار میں
آئینہ ایسے طاق پہ گم کر کہ تو نہ ہو

ابرو کی مماثلت طاق سے ہے۔ آئینہ طاق میں رکھا جاتا ہے۔ کسی چیز کو طاق میں رکھنا اسے فراموش کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ دل کو ابروئے یار کو دے دے۔ وہ اس کی طرف سے تغافل برتے گی یعنی یار تغافل کرے گا گویا آئینہ کو ایسے طاق میں رکھ کر گم کر دیا کہ

جس کے آس پاس تیرا وجود ہی نہ ہو۔ چونکہ یار تیرا دل لے کر تجھے بھول جائیگا اس لئے تو اس کے پاس نہ ہوگا۔

زلفِ خیال نازک و اظہار بے قرار

یارب، بیانِ شانہ کشِ گفتگو نہ ہو

اظہار بے قرار کے معنی یہ نہ لئے جائیں کہ اظہار بے قرار ہے، بلکہ ایک ترکیب مان کر اسے بھی زلفِ خیال کا وصف قرار دیا جائے۔ زلفِ خیال نازک ہے اور زلفِ خیال "اظہار بے قرار" ہے میں بہت نازک خیال ہوں۔ خیال کی زلف نازک ہے اور دوسروں کے آگے خود کو ظاہر بھی کرنا چاہتی ہے۔ یارب کاش میں بیانِ شعر کے ذریعے اسے گفتگو میں ظاہر نہ کروں مبادا وہ ٹوٹ پھوٹ جائے۔ شانہ کشِ گفتگو: بات چیت کے ذریعے شانہ کرنا یعنی خیال کا تجزیہ کرنا۔ میرا خیال بہت نازک اور باریک ہے کاش اسے الفاظ میں سلجھا کر بیان کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ مفہوم مجروح ہو جائیگا۔ گفتگو سے مُراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگ میرے بیان کے بارے میں گفتگو نہ کریں یعنی اسے زیرِ بحث لا کر تجزیہ نہ کریں۔

تمثالِ ناز، جلوۂ نیرنگِ اعتبار

ہستی عدم ہے آئینہ گر روبرو نہ ہو۔

انسان خود پر ناز کرتا ہے تو وہ محض اعتبار کی نیرنگی یا دھوکا ہے۔ یہ فرض کر لیا کہ میں اتنا شاندار ہوں خود پر ناز کیا اور اپنی خوش اعتقادی کے فریب میں رہے۔ دراصل اس کی کوئی پائیدار بنا نہیں۔ آدمی کو اپنی ہستی کا یقین آئینے سے ہوتا ہے کہ اس میں ذات کا عکس دکھائی دیتا ہے اگر یہ نہ ہو تو ہستی کا وجود ہی نہیں۔ غالب نے مایا کے فلسفیوں کی طرح ہستی کے وجود سے انکار کیا ہے۔ یہاں ہستی کو محض عکسِ آئینہ قرار دیا ہے۔

مژگاں، خلیدۂ رگِ ابرِ بہار ہے

نشتر، بہ مغزِ پنبۂ مینا فرو نہ ہو

مژگاں کو مفرد بھی استعمال کرتے ہیں۔ پنبۂ مینا : وہ روئی جو ڈاٹ کی جگہ شراب کی صراحی میں لگی ہو ہماری پلکیں رگِ ابرِ بہار میں چبھی ہوئی ہیں۔ رگِ ابر بادل کی فرضی دھاری کو کہتے ہیں۔ کسی کی رگ میں کچھ چبھایا جائے تو خون بہتا ہے۔ بادل کی رگ میں چبھانے سے پانی بہہ نکلے گا۔ پلکیں رگِ ابر میں چبھی ہونے کے معنی ہوئے کہ یہ آنسوؤں کی بارش کر رہی ہیں اس لئے پنبۂ مینا میں نشتر چبھانے کی ضرورت نہیں۔ روئی کے ڈاٹ کو نشتر کی مدد سے باہر نکالا جاتا ہے۔ چونکہ

پلکیں محوِ گریہ ہیں اس لئے بوتل کھولنے کی ضرورت نہیں پینے پلانے کو کس کا جی چاہے گا۔

عرضِ نشاطِ دید ہے، مژگانِ انتظار

یارب کہ خارِ پیرہنِ آرزو نہ ہو

خارِ پیرہن : مخل۔ کسی کے انتظار میں پلکیں لگائے بیٹھے رہیں تو یہ دید کی خواہش کا اظہار ہے۔ یارب میری پلکیں خارِ پیراہنِ آرزو نہ ہوں یعنی کوئی بات آرزو میں مخل نہ ہو اور جس کے انتظار میں مسلسل جانبِ در دیکھ رہے ہیں وہ آ جائے۔

واں پرفشانِ دامِ نظر ہوں جہاں اسد

صبحِ بہار بھی، قفسِ رنگ و بو نہ ہو

میں ایسی جگہ نظر کا جال پھینک رہا ہوں جہاں رنگ و بو کا نام و نشان نہیں جہاں بہار کی صبح بھی رنگینی سے معرا ہے۔ قفسِ رنگ و بو ہونا : رنگ و بو سے لبریز ہونا۔ شعر میں اپنی بدنصیبی دکھائی ہے کہ میرے میدانِ نظر میں فصلِ بہار میں بھی سونا پن رہتا ہے۔

(۱۴۵)

مبادا بے تکلف فصل کا برگِ نوا گم ہو

گر طوفانِ مے میں پیچشِ موجِ صبا گم ہو

شعر اُلجھا ہوا ہے۔ ذیل کے معنی قیاس میں آتے ہیں :

(۱) تیز ہوا اور آندھی سے کھڑی فصلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ موجِ صبا نے ہماری فصل کا سارا مال و متاع ختم کر دیا ہو۔ علاج یہ ہے کہ طوفانِ مے کی مدد لے کر موجِ صبا کی تاراجی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں یعنی شغلِ مے کیا جائے۔ موجِ حوادث گھر کو دریا برد کرتی ہو تو کرنے دو۔ (۲) ایک اور معنی یہ ہو سکتے ہیں پیچشِ موجِ صبا کنایہ ہے۔ طبیعتوں کے اُلجھاؤ اور نفسیاتی پیچاکوں سے۔ طوفان میں تیز ہوا کا پیچ و تاب بھی شامل ہوتا ہے۔ ہم دوستوں کے ساتھ مل کر طوفانِ مے برپا کئے ہوئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے تکلفی کا جو ماحول پیدا ہے وہ جاتا رہے اس لئے ہم موجِ صبا کے پیچاک کی طرح کے نفسیاتی پیچاک کو غرقِ مے تاب کر دینا چاہتے ہیں۔

سبب، وارستگاں کو ننگِ ہمت ہے خداوندا

اثر گریے سے اور لب ہائے عاشق سے صدا گم ہو

آزاد منش لوگوں کو کسی دوسری چیز کے سبب سے کچھ کرنا ننگِ ہمت ہے (۱) مثلاً محبوب کا

سرمۂ چشم دیکھا اور اس کے اثر سے عاشق کے ہونٹوں سے فغاں پیدا ہونے لگی۔ عاشق کیلئے یہ باعثِ ننگ ہے۔ کاش سُرمے میں سے تڑپانے کی تاثیر اور عاشق کے ہونٹوں میں سے فغاں کی صلاحیت جاتی رہے۔ یا (۲)، مثلاً عاشق کو خاموش کرنے کیلئے سُرمہ کھلایا گیا۔ یہ عاشق کے لئے باعثِ ننگ ہے۔ کاش سُرمے میں آواز بندی کی تاثیر اور لب ہائے عاشق سے فغاں کی عادت جاتی رہے۔

الفاظ سے دونوں معانی نکل سکتے ہیں لیکن دوسرے موزوں تر ہیں۔

نہیں جز درد تسکین نکوہش ہائے بے درداں
کہ موجِ گریہ میں صد خندۂ دنداں نما گم ہو

بے درد لوگ ہمیں جو ملامت کرتے ہیں۔ درد دل کے سوا اس سے راحت کی کوئی صورت نہیں ہے وہ ہمارے تمسخر کیلئے جو خندۂ دنداں نما کرتے ہیں ہمارے پاس اس کا جواب رونے کا طوفان ہے

ہوئی ہے ناتوانی بے دماغِ شوخیٔ مطلب
فرو ہوتا ہے سر سجدے میں اسے دستِ دعا گم ہو

ہماری نقاہت کو مدعا طلبی کا دماغ نہیں۔ ہم سر سجدے میں گراتے ہیں (کیونکہ کمزوری میں یہی ہوتا ہے) لیکن دُعا کیلئے ہاتھ نہیں اُٹھاتے (کیونکہ کمزوری کی وجہ سے ہاتھ اُٹھانا ممکن نہیں)

تجھے ہم مفت دیویں یک جہاں چینِ جبیں لیکن
مباد، اسے پیچ تابِ طبع، نقشِ مدعا گم ہو

چینِ جبیں: جھنجھلاہٹ میں پیشانی پر جو بل آتے ہیں۔ پیشانی کی لکیروں سے مقدر کا لکھا (جس میں نقشِ مدعا بھی شامل ہے) بھی معلوم ہوتا ہے۔ طبیعت میں پیچ وتاب غم وغصہ کے وقت ہوتا ہے۔ دل جلا عاشق اپنی طبیعت کے پیچ وتاب کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ ہم تجھے اپنی پیشانی سے ڈھیر کا ڈھیر شکن دے سکتے ہیں لیکن ایسا نہ ہو کہ تحریرِ پیشانی مسخ ہو جائے اور اس میں شامل نقشِ مدعا بھی مٹ جائے۔

ملا گردانِ تمکینِ بتاں، صد موجۂ گوہر
عرق بھی جن کے عارض پر بہ تکلیفِ حیا گم ہو

تمکین: شان وشوکت رکھ رکھاؤ کو کہتے ہیں۔ شرم سے گال پر پسینہ آ جاتا ہے لیکن یہ تمکنت

کے خلاف ہے۔ موتیوں کی سیکڑوں موجیں ان حسینوں کی تمکنت پر نثار ہوں جن کے گالوں کو شرم کے پسینے کی بھی تاب نہیں یعنی موجِ گوہر نے قطراتِ عرقِ عارض کی فوقیت تسلیم کرلی ہے

اُٹھا دے کب وہ جانِ شرم تہمت قتلِ عاشق کی
کہ جس کے ہاتھ میں، مانندِ خون رنگِ حنا گم ہو

آرائش کرنے کے بعد حسینوں کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے ہمارا شرمیلا محبوب حنا نہیں لگاتا جس کے ہاتھ میں رنگِ حنا غائب ہے وہ کسی کے خون سے کیوں ہاتھ بھرنے لگا۔ حنا کی طرح ہاتھ میں خون لگانا بھی باعثِ شرم ہے۔ اس لئے وہ شرمیلا محبوب عاشق کے قتل کا الزام نہیں لینا چاہتا۔

کریں خوباں جو سیرِ حسن، اسد یک پردہ نازک تر
دمِ صبحِ قیامت، در گریبانِ قبا گم ہو

اگر حسین دیدِ حسن کو بقدر ایک پردے کے زیادہ لطیف کردیں تو صبحِ قیامت کا دم گم ہو جائے یعنی جان نکل جائے۔ حسین اتنے اچھے معلوم ہوں گے کہ صبحِ قیامت ان کے مقابلے میں کم فتنہ خیز رہ جائے گی۔ صبحِ قیامت کا دم کس کی قبا کے گریباں میں گم ہوگا اپنے یا خوبوں کے؟ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ گریباں سانس کا مقام ہے۔ صبح چاکِ گریباں سے مشابہ ہے حسینوں کا عریاں بدن دیکھ کر صبحِ قیامت کا سانس اپنے گریباں میں کھو کر رہ جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک پردہ ہٹانے کے بعد حسینوں کا سینہ دکھائی دینے لگے گا۔ صبحِ قیامت اُن کی قبا کے گریباں میں جھانکے گی اور اپنا دم کھو دے گی۔

(۱۴۶)

خشکیٔ مے نے تلف کی میکدے کی آبرو
کاسۂ دریوزہ ہے پیمانۂ دستِ سبو

میکدے میں شراب خشک اور ناپید ہوگئی ہے۔ خالی گھڑے پر خالی پیالہ دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھڑا ایک بھکاری ہے جو ہاتھ میں خالی پیالہ لے کر بھیک مانگ رہا ہے۔ اس طرح میکدے کی آبرو برباد ہوگئی۔

بہرِ جاں پروردنِ یعقوب، بالِ خاک سے
دام لیتے ہیں پرِ پرواز، پیراہن کی بو

یہ متن نسخۂ عرشی کا ہے جب کہ خود نوشت دیوان کا متن یہ ہے

بہرِ جاں پروریِ یعقوب، بالِ چاک سے
وام لیتی ہے پرِ پرواز، پیراہن کی بو

دوسرے مصرع میں غالب نے "لیتے ہے" لکھا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں یائے معروف و مجہول میں فرق نہیں کیا جاتا تھا اس لئے اسے "لیتی ہے" پڑھا جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ لیتے ہی پڑھنا سہوِ قرأت ہے یا سہوِ کتابت۔ پہلے مصرع میں "بالِ خاک" بھی ممکن ہے اور بالِ چاک بھی دونوں طرح سے پڑھ کر یہ معنی نکلتے ہیں۔ حضرت یعقوب، حضرت یوسف کے غم میں نڈھال تھے پیراہنِ یوسف کی بو نے ان کی جاں پروری کی۔ بوئے پیراہن جلد سے جلد اُڑ کر یعقوب تک پہنچنا چاہتی تھی اس لئے اس نے خاک کے بازوؤں سے پرِ پرواز اُدھار لیا۔ خاک بھی اُڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتی ہے گویا اس کے پاس پر ہوتے ہیں۔ بالِ چاک ہو تو پھٹا ہوا پر مراد ہوگا اور یہ بوئے پیراہن کی بیچارگی کی طرف اشارہ ہے لیکن میری رائے میں بالِ خاک موزوں تر ہے

گردِ ساحل ہے، نمِ شرمِ جبینِ آشنا
گر نہ باندھے قلزمِ الفت میں سر جائے کدو

نئے نئے تیرنے والے کمر سے خالی کدو باندھ کر تیرتے ہیں تاکہ ڈوبنے سے محفوظ رہیں۔ الفت کے سمندر میں جان بچا لانے کی کوشش کرنا شرم کی بات ہے۔ اگر کوئی اس سمندر میں جان محفوظ کر کے ساحل پر پہنچ گیا اور وہاں گردِ ساحل کے ذرے اس کی پیشانی پر پڑے تو یہ گویا تیرنے والے ... ... کے ماتھے پر شرم کا پسینہ ہے۔ چاہیئے یہ کہ قلزمِ الفت میں سر کو کاٹ کر کمر پر کدو کی جگہ باندھ لیا جائے تاکہ بچ کر ساحل پر جانے کا سوال ہی نہ رہے۔ یعنی سچا عاشق وہ ہے جو اس میدان میں سر کو ہتھیلی پر لئے پھرے۔ آشنا: تیرنے والا۔

گرمیِ شوقِ طلب ہے ہیچ تاپاکِ وصال
غافلاں آئینہ داں ہے نقشِ پائے جستجو

تاپاک: تپاک۔ گرم جوشی۔ آئینہ داں: وہ صندوقچہ جس میں آئینہ رکھا جائے۔ جستجو کرنے والے کا نقشِ پا اپنے اندر آئینہ رکھتا ہے۔ آئینہ عکسِ محبوب کا ظرف ہے جس کے معنی ہیں نقشِ پائے جستجو محبوب کے ملنے کی منزلِ اوّل ہے۔ گرمیِ شوق آخرکار وصل کی منزل تک لے جاتی ہے۔ پس یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ گرمیِ شوق وصل کی گرم جوشی کے مترادف ہے۔

رہن خاموشی میں ہے، آرائشِ بزمِ وصال
ہے پرِ پروانۂ رنگِ رفتہ، خونِ گفتگو

حجرۂ وصال کی آرائش کا ایک اہم عنصر خاموشی ہے۔ محبوب کا سامنا ہونا کوئی کھیل نہیں عاشق کے چہرے سے خون رخصت ہو گیا ہے اور رنگ اُڑ رہا ہے۔ خون کا رنگ جس طرح پر لگا کر اُڑ گیا اسی طرح گفتگو بھی پرواز کر گئی ہے۔ عاشق کو بات کرنے کا یارا نہیں۔ رنگ کے اُڑنے کو غالب اکثر پروازِ طائر سے مشابہ کرتے ہیں۔

ہے تماشا، حیرت آبادِ تغافل ہائے شوق
یک رگِ خواب و سراسر جوشِ خونِ آرزو

رگِ خواب: آدمی کی وہ حساس رگ جسے پکڑنے سے اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ یعنی وہ مطیع ہو جائے۔ حیرت آبادِ تغافل ہائے شوق: وہ مقام جہاں شوق نے غفلت طاری کر رکھی ہے اور جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ عشق نے ہمیں غفلت میں مبتلا کیا ہوا ہے اور یہ صورتِ حال تماشا کرنی ہے۔ ہماری ایک ہی رگ ہے جسے پکڑنے سے ہم مطیع ہو جاتے ہیں اور اسی میں خونِ آرزو نے قیامت کا جوش دکھا رکھا ہے۔ یعنی آرزوؤں کی شدت نے ہمیں ہوش سے عاری کر کے اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔

خوئے شرمِ سرد بازاری ہے سیلِ خانماں
ہے اسد نقصاں میں مفت اور صاحبِ سرمایہ تو

خوئے: پسینہ۔ سیلِ خانماں: وہ سیلاب جو گھر کے سامان کو غارت کر دے۔ شعر میں محبوب کو خطاب کیا ہے۔ بازار کی اصطلاحیں ہیں۔ اسد کا بازار آج کل سرد ہے یعنی کوئی اس کے دل کا خریدار نہیں یا اس کا قدرداں نہیں۔ سرد بازاری کی شرم کی وجہ سے اسد کو جو پسینہ آیا وہ اس قدر تھا کہ اس کے خان و خانماں کو برباد کر دیا۔ اے دوست، اسد کی سرد بازاری پر تو نے اس کے دل کو یا خود اسے لے لیا۔ اس طرح وہ نقصان میں رہا کہ دل دے دیا اور بدلے میں کچھ نہ ملا۔ تو فائدے میں رہا کہ ایسا سرمایہ ہاتھ آیا۔ احساسِ ناقدری نے اسے دُنیا کے کام کاج کا نہ رکھا گویا اس کا خانماں برباد ہو گیا۔

(۱۴۷)

زنگِ ضرب ہے صورتِ عہدِ وفا گرہ   تھا کس قدر شکستہ کہ ہے جابجا گرہ

گرو کے عام معنی کے علاوہ کچھ غیر معمولی معنی بھی ہوتے ہیں مثلاً عبد : بندہ۔ اس غزل میں کئی جگہ اس الفاظ کے یہی معنی لئے گئے ہیں۔ دوسرے لوگ ہم سے عہدِ وفا باندھتے ہیں تو وہ عہد ان کی مرضی کے تابع ہوا۔ اسی طرح ہمارا رنگِ طرب دوسروں کی مرضی کا گرو یا مطیع ہے۔ چونکہ یہ متعدد لوگوں پر منحصر ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ پارہ پارہ ہے اور اس کے ٹکڑے جابجا گرو ہیں۔ رنگِ طرب کا شکستہ ہونا اس کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔

پرواز نقد، دامِ تمنائے جلوہ تھا
طاؤس نے یک آئینہ خانہ رکھا گرو

پرواز نقد : نقدِ پرواز یعنی انتقادِ پرواز۔ قوتِ پرواز کا امتحان لینا۔ طاؤس کا تمنائے جلوہ کا دام اس کی قوتِ پرواز کا امتحان لے رہا تھا۔ طاؤس کی جلوہ فروشی کی خواہش اسے اڑائے لئے جا رہی تھی۔ طاؤس نے آئینہ خانہ گرو رکھ دیا یعنی اک آئینہ خانہ پیدا کر کے دیکھنے والوں کو فراہم کر دیا۔ آئینے خانے میں ہر طرف آئینے ہوتے ہیں جن میں ہر سمت سے شاہد کا جلوہ نظر آتا ہے۔ طاؤس رنگینی کی وجہ سے جلوہ ساماں ہے۔ وہ ہر سو پرواز کرتا پھرے گا تو اک آئینہ خانہ بنا کر رکھ دے گا۔ یہ آئینہ خانہ نظارگیوں کو عطا کر دیا جاتا ہے۔
عرشی صاحب نے نقد پر اضافت دی ہے میری رائے میں نہیں ہونی چاہیے۔

عرضِ بساطِ انجمنِ رنگ مفت ہے
موجِ بہار رکھتی ہے اک بوریا گرو

موجِ بہار کے قبضے میں اک بوریا ہے۔ یہ انجمنِ رنگ کی بساط پھیلاتی ہے گویا ایک خوش رنگ نقش و نگار والا بوریا کھول دیتی ہے۔ بہار کی رنگینیوں کو بوریے کے نقوش سے تشبیہہ دی ہے۔ مفت کے معنی اس شعر میں سہل ہونے چاہئیں۔ چونکہ موجِ بہار کے پاس ایک رنگین بوریا گرو ہے اس لئے اس کے واسطے انجمنِ رنگ کی بساط پھیلانا بہت سہل ہے۔ اس کام میں اسے کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی۔

ہر ذرّہ خاک، عرضِ تمنائے رفتگاں
آئینہ ہا شکستہ و تمثال ہا گرو

آئینہ سے مراد وہ شیشہ ہے جس میں تصویر (تمثال) فریم کی ہوئی ہے۔ کسی کی تصویر کو جڑوا کر اپنے پاس رکھنا اس تصویر کے موضوع کی تمنا ظاہر کرتا ہے۔ خاک کا ہر ذرّہ

گزرے ہوئے لوگوں کی تمناؤں کا آئینہ دار ہے۔ اس میں کتنے شیشے ٹوٹ کر مل گئے ہیں۔ ان میں کتنی تصویریں گرو ہیں۔ یعنی بند ہیں۔ ہر ذرّۂ خاک کسی مرحوم کی تمناؤں کی تصویر یا شیشہ کا ذرّہ ہے۔

ہے خاک میں سَلَم، ہوسِ صد قدح شراب
تسبیحِ زاہداں، بہ کفِ مدّعا گرو

سَلَم : بیع کی وہ صورت جس میں شئے فروختنی کے تیار ہونے یا بننے سے پہلے ہی پیشگی قیمت ادا کر دی جائے۔ انگور کے دانے میں بہت سی شراب پینے کی ہوس، پیشگی کے طور پر موجود ہے یعنی انگور سے شراب بعد میں بنے گی ہوسِ مے نوشی شروع ہی سے پوشیدہ ہے۔ یہ ہوس زاہدوں کی ہوسِ شراب ہے۔ جنہوں نے اس غرض سے اپنی تسبیحیں گرو رکھ دی ہیں کہ مدّعا ہاتھ آجائے۔ تسبیح کے دانے اور دانۂ انگور میں مشابہت ہے۔

برق آبیارِ فرصتِ رنگِ دمیدہ ہوں
یعنی تحمّل شمع، ریشے میں نشو و نما گرو

رنگِ دمیدہ : وہ رونق و رنگینی جو مجھے حاصل ہے۔ میں اپنی رنگ و رونق کے زوال کی آبیاری برق سے کرتا ہوں یعنی اگر کسی وقت مجھے کامرانی حاصل ہوتی ہے تو میں اس کو پھونک دیتا ہوں۔ شمع کے پیڑ کی بالیدگی دھاگے میں بند ہوتی ہے۔ شمع کی بالیدگی کیا ہے؟ اس کا روشن رہنا۔ گویا شمع کو اس کے ریشے یا رشتے کا جلنا ہی موافق آتا ہے۔ یہی میری مثال ہے۔ میں بھی برق سے آبیاری پسند کرتا ہوں۔

طاقت، بساطِ دست گہِ یک قدم نہیں
جوں اشک جب تلک نہ رکھوں دست و پا گرو

میری طاقت ایک قدم رکھنے کی قدرت بھی نہیں رکھتی۔ آنسو گول مٹول ہوتا ہے جیسے اس نے دست و پا گرو رکھ دئیے ہوں اور لڑھکتا پھرتا ہے۔ مجھ میں بھی چلنے کی طاقت نہیں آنسو کی طرح لڑھک کر ایک آدھ قدم چل سکتا ہوں۔

ہے وحشتِ جنونِ بہار اس قدر کہ ہے
بالِ پری، بہ شوخیِ موجِ صبا گرو

مشہور ہے کہ پری کا سایہ پڑنے سے جنون ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو بہار کا اتنا شوق ہے جیسے شوخ ہوا کے قبضے میں پری کے بازو آگئے ہوں جنہیں وہ اڑائے پھرتی ہے اور اس کے

سامنے سے لوگوں کو جنون ہو رہا ہے۔ بہار اور پری میں رنگینی و حسن اشتراک ہے۔

بے تابِ سیرِ دل ہے، سرِ ناخنِ نگار
یاں نعل ہے بر آتش زنگِ حنا گرو

نعل بر آتش ہونا: مضطرب ہونا۔ محبوب کے ناخن کا سرا میرے دل کی سیر کیلئے بے چین ہے تاکہ انگلی حنا آلودہ ہو جائے اور ہم اس کے رنگِ حنا کو دیکھ کر تڑپ رہے ہیں۔

ہوں سخت جانِ کاوشِ فکرِ سخن، اسدؔ
تیشے کی، کوہسار میں ہے، یک صدا گرو

سخت جان: اردو میں اس کے معنی ہیں جس کی جان مشکل سے نکلے یعنی جفاکش۔ کاوش: جد و جہد لفظی معنی کھودنا۔ صدا: وہ آواز جو پہاڑ یا کنوئیں وغیرہ سے بازگشت کے طور پر آسکے۔ فرہاد نے تیشے سے پہاڑ کو کھودا تھا۔ میں شعر کہنے کی فکر میں کاوش کی بیداد اٹھا رہا ہوں۔ گویا یہ بھی تیشے سے کھودنے کے مترادف ہے۔ میرے تیشے کی آواز کوہسار کے پاس گرو ہے اس نے رہا نہیں کی اس لئے دنیا کو میری تیشہ زنی کا احساس نہیں۔ شعر کی فکر کرنا ایک طرح کی کاوشِ تیشہ ہے اور میں مسلسل اس مشقت کو برداشت کر رہا ہوں۔

(۵)

(۱۴۸)

حیرت ہجوم، لذتِ غلطانیِ تپش
سیماب بالش و کمرِ دل ہے آئینہ

یہ شعر دل کے بارے میں ہے۔ دل میں حیرت کا ہجوم ہے۔ دل بے قراری میں لوٹ پوٹ کر لذت پا رہا ہے۔ دل کا تکیہ سیماب ہے۔ جس کے تکیے میں سیماب بھرا ہو اسے بے قراری میں لوٹنے کے سوائے اور کیا ملے گا۔ دل کی کمر یعنی ٹیکا آئینہ ہے۔ آئینہ حیرت ہجوم ہوتا ہے اس لئے دل بھی حیرت ہجوم ہے۔ دل کے دو اوصاف بیان کئے گئے ہیں حیرت اور اضطراب و تپش۔ حیرت کی وجہ سے اسے آئینے سے متعلق کیا گیا اور تڑپ کی وجہ سے سیماب سے۔ دوسرا مصرع دو فقروں کا مجموعہ ہے۔ سیماب، بالشِ دل ہے اور کمرِ دل آئینہ ہے۔ دو ہندی فعل والے فقروں یا جملوں کو فارسی واوِ عطف کے ساتھ منسلک کرنا معیوب ہے۔

غفلت بہ بالِ جوہرِ شمشیر پرفشاں
یاں پشتِ چشمِ شوخیِ قاتل ہے آئینہ

پشتِ چشم تغافل کی نشانی ہے۔ محبوب نے ہم سے غفلت برتی ہے لیکن اس کی غفلت یا بے اعتنائی کس طرح ظاہر ہو رہی ہے؟ یہ جوہرِ تلوار کے بازوؤں کے سہارے اڑ رہی ہے یعنی محبوب نے ہمارے اوپر تلوار اٹھائی ہوئی ہے۔ اس طرح قاتل کا تغافل آئینہ کی طرح ہمارے سامنے آیا ہے۔ آئینے کے معنی یہاں عیاں کے ہیں لیکن خود آئینہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ شمشیر میں بھی جوہر ہوتا ہے اور آئینے میں بھی۔ اس طرح ہمارے اوپر اٹھی ہوئی تلوار ہمارے حال سے محبوب کی غفلت کا آئینہ بن گئی ہے۔ قاتل کی شوخی اس بات سے ظاہر ہے کہ اس نے اظہارِ غفلت کے لیے شمشیر کا سہارا لیا۔

حیرت نگاہِ برق، تماشا بہارِ شوق
در پردۂ ہوا، پرِ بسمل ہے آئینہ

وہ شوخ تماشا بہار بنا ہوا ہے یعنی فردوسِ دید ہے۔ اس کو دیکھ کر بجلی حیرت نگاہ ہے یعنی اس کی چلبلاہٹ پر بجلی کو بھی حیرت ہے اور آئینے نے جو اسے دیکھا تو یہ عالم ہوا جیسے کسی مذبوح پرندے کے پر ہوا میں اڑ رہے ہوں یعنی آئینہ مذبوح کی طرح تڑپنے لگا۔ آرائش کے آخر میں محبوب، برق اور آئینے کی یہ کیفیات ہیں۔

یاں رہ گئے ہیں ناخنِ تدبیر ٹوٹ کر
جوہرِ طلسم، عقدۂ مشکل ہے آئینہ

دوسرے مصرع میں کہا ہے ہمارا عقدۂ مشکل جو جوہرِ طلسم ہے آئینہ کی طرح ہے کیونکہ آئینہ بھی جوہرِ طلسم ہوتا ہے۔ جوہرِ طلسم: ایسا طلسم جو جوہری ذرات سے بنا ہو۔ ہمارا عقدۂ مشکل دھاگے یا رسی کی گرہ نہیں۔ جسے ناخن سے کھول لیا جائے یہ آئینے کی طرح جوہر کا طلسم ہے جس طرح ناخنوں سے آئینے کے جوہر جدا جدا نہیں کئے جا سکتے۔ اسی طرح ہم ناخنِ تدبیر سے ہزار کوشش کر رہے ہیں لیکن اپنے عقدۂ مشکل کو نہیں کھول پاتے۔ تدبیر بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔

ہم زانوئے تامل و ہم جلوہ گاہِ گل
آئینہ بندِ خلوت و محفل ہے آئینہ

آئینہ بند: آئینہ بندی کرنے والا یعنی رونق افزا۔ آئینہ خلوت کی رونق بھی بڑھاتا ہے اور

محفل کی بھی۔ خلوت میں آئینے کو دیکھ کر انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ اپنے چہرے کے عیوب محاسن کا تجزیہ کرتا ہے۔ زانو پر سر رکھ کر غور کیا جاتا ہے اس لئے آئینے کو زانوئے تامل کہا۔ محفل میں آئینہ پھولوں کی جلوہ گاہ ہے یعنی اگر کسی بزم میں ہر طرف آئینہ بندی کی ہو اور پھر محفل کے بیچ کچھ پھول رکھے ہوں یا کوئی حسین موجود ہو تو اس کا جلوہ ہر طرف دکھائی دے گا۔ ہم معنی بھی ہے۔

دل کارگاہِ فکر و اسد بے نوائے دل
یاں سنگِ آستانۂ بیدل ہے آئینہ

اس سے پہلے ہی شعر میں غالب نے آئینے کو زانوئے تامل کہا ہے یعنی آئینہ بھی سامانِ فکر فراہم کرتا ہے۔ غالباً سنگِ آستانہ بھی یہی فائدہ دیتا ہے۔ سنگِ آستانہ: دہلیز کا پتھر یعنی چوکھٹ اس پر لیٹ کر سر رکھ کر غور و خوض کر سکتے ہیں۔ بیدل یہاں شاعر بیدل نہیں بلکہ بغیر دل کا عاشق۔ کہتے ہیں۔ فکر کا کارخانہ دل ہے اسد دل سے معرّا ہے۔ اوروں کیلئے دل تکیۂ فکر (یا سنگِ آستاں) ہوا کرتا ہے مجھ بے دل کیلئے آئینہ یہ کام دے رہا ہے۔ میں آئینے میں دیکھ کر اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی طرف سوچنے لگتا ہوں گویا آئینہ میرا سنگِ آستاں ہے۔ اس شعر کے ایک اور معنی یہ ہیں۔

فکر کا مقام دل ہے اور اسد کے پاس دل نہیں۔ اس لئے مرزا عبدالقادر بیدل کا سنگِ آستان اسد کے لئے آئینہ ہے۔ آئینے میں دیکھ کر غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔ اسد کے لئے حضرت بیدل کا کلام آئینۂ فکر یا کارگاہِ فکر ہے۔ بیدل کے لفظ میں ایہام ہے۔ دوسری تشریح زیادہ سہل اور سلجھی ہوتی ہے۔

(۱۴۷)

عجزِ دل سراغِ درد بہ دل خفتگاں نہ پوچھ
آئینہ عرض کر، خط و خالِ بیاں نہ پوچھ

دل خفتگاں: وہ لوگ جو جذبات سے عاری ہیں سنگ دل یا مردہ دل لوگوں کے پاس دل تو دل سکتا ہے لیکن اس میں درد کا سراغ نہیں مل سکتا۔ ایسے لوگوں سے ان کی خواہشات احساسات کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ واضح جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کے سامنے تو آئینہ رکھ دے جس میں انہیں اپنی شخصیت دکھائی دے جائے اور تب اپنے بارے میں وہ جان سکیں۔ بیان کی خوبیوں کی ان سے توقع نہ رکھ کر۔ یہ تو درد سے بھرے

دل رکھنے والوں کیلئے ممکن ہے کہ اپنے دل کی حالت بڑے با اثر طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ دل خفتگاں کے معنی کسی لغت سے نہیں لئے گئے قیاسی ہیں۔

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا
جاہ و جلالِ عہدِ وصالِ بتاں نہ پوچھ

انیسویں صدی کے نصفِ اول میں گو ہندوستان یا دلّی بظاہر آزاد تھی لیکن دراصل مغل بادشاہ انگریز سفیر کا اسیر تھا۔ غالب ان گذرے ہوئے دنوں کی یاد کرتے ہیں جب ملک واقعی آزاد تھا مثلاً جہانگیر کے دور میں۔ ہندوستان پھولوں کے سائے کی طرح خوشگوار تھا اور بادشاہ کا مستقر تھا۔ اب کی طرح نہیں کہ ہندوستان کی قسمت پر واقعی اختیار رکھنے والا بادشاہ باہر انگلستان میں ہے۔ غالب کو یاد آتی ہے کہ ملک کے آزاد و مختار ہونے کے ایام میں روسا خوب حسینوں سے وصل کرتے ہوں گے اور ٹھاٹھ سے رہتے ہوں گے۔ گویا وہ عہد حسینوں کے حسن کی گلچینی کا عہد تھا۔ اس دور کا جاہ و جلال نہ پوچھ۔

پرواز یک تبِ غمِ تسخیرِ نالہ ہے
گرمیٔ نبضِ خار و خسِ آشیاں نہ پوچھ

آشیاں کے خار و خس میں بڑی گرمی ہے۔ ایسے آشیانے میں رہنے سے بےچینی ہوتی ہے اور نالہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ نالے پر قابو پانے کے لئے بلبل آشیانے سے نکل کر پرواز کرتی ہے تاکہ آشیانے کی گرمی کے آزار سے محفوظ رہ سکے ہیں اس طرح پروازِ ضبطِ نالہ کی پریشانی کا بخار ہے۔ یعنی بلبل کیلئے آشیانہ بھی جائے سکون نہیں۔

تو مشقِ ناز کر، دلِ پروانہ ہے بہار
بےتابیٔ تجلّیِ آتش بجاں نہ پوچھ

شعر کے معنی دو طرح ممکن ہیں۔ "دلِ پروانہ بہار ہے" مان کر اور "بہار دلِ پروانہ ہے" مان کر (۱) پروانے کا دل بڑا پُر بہار ہے۔ آتش بجاں پروانے کی روشنی کی تڑپ کیا بیان کروں۔ اس روشنی کی وجہ سے اس کے دل میں بہار آگئی ہوئی ہے لیکن یہ روشنی تڑپ رہی ہے کہ کاش تو مشقِ ناز کر کے اس دل کو جلا دے۔ (۲) بہار دلِ پروانہ کی طرح تیرے ہاتھوں جلنا چاہتی ہے۔ بہار میں جو ہر طرف سرخ پھول کھلے ہیں یعنی آتشِ گل لگی ہوئی ہے اس کی وجہ سے بہار آتش بجاں ہو گئی ہے اس کی روشنی کی بےتابی نہ پوچھ۔ تو مشقِ ناز کر کے اس بہار کو غارت کر دے

اور اس کی بے تابی دور کر۔

غفلت متاعِ کفۂ میزانِ عدل ہوں
یارب حسابِ سختیٔ خوابِ گراں نہ پوچھ

کفہ : ترازو کا پلڑا۔ اے خدا اگر تو انصاف کی ترازو میں میرے اعمال کو تولے گا تو میرے پاس صرف غفلت کی پونجی نکلے گی۔ میں بڑی غفلت کی نیند میں سویا۔ اس کی سختی کا حساب نہ پوچھ

ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے
عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ

میرا سینہ درد و داغ کو پسند کرتا ہے اس کی شدت کا امتحان لیتا ہے۔ ایک نیا داغ حسرت لگتا ہے تو وہ ایسا دل بن جاتا ہے جسے داغ کا انتظار ہو گویا ہر نیا داغ ایک اور نئے داغ کی طلب کرتا ہے ایسے داغ پسند سینے کی وسعت کا کیا ٹھکانا۔

کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ آہ
دردِ جدائیٔ اسد اللہ خاں نہ پوچھ

شعر صاف ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہیں۔

(۱۵۰)

رفتار سے شیرازۂ اجزائے قدم باندھ
اے آبلے محمل پئے صحرائے عدم باندھ

کتاب کے مختلف اجزا میں دھاگا ڈال کر ان کی شیرازہ بندی کی جاتی ہے۔ راستے پر چلتے وقت پے بہ پے جو قدم رکھے جاتے ہیں۔ رفتار گویا ان سب کو ملانے والا شیرازہ ہے۔ شعر میں ہدایت کی ہے کہ مسلسل چلتے رہو خواہ پاؤں میں آبلے پڑ جائیں۔ یہاں تک چلو کہ صحرائے عدم میں پہنچ جاؤ۔ محمل باندھنا : سفر کا قصد کرنا۔ آبلہ رفتار و سفر سے باز رکھتا ہے لیکن محمل سے مشابہ ہوتا ہے یہاں خود آبلے سے کہا ہے کہ سفر کو اتنا بڑھا کہ عدم کے بیابان میں پہنچ جائیں۔

بیکاریٔ تسلیم بہ ہر رنگ چمن ہے
گر خاک ہو گلدستۂ صد نقشِ قدم باندھ

زندگی کا ایک طریق یہ ہے کہ جد و جہد میں باعمل رہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ توکل و تسلیم اختیار کر کے بیکار بیٹھ جاؤ۔ اس شعر میں دوسرے طریق کو سراہا گیا ہے۔ اس کا کوئی نتیجہ ہو

زندگی کو باغ کی طرح بارونق بنا دیتا ہے۔ اگر بیکار بیٹھے بیٹھے اپنے پاس محض خاک رہ جائے تو اس پر اس ہوشیاری سے نقوشِ قدم بنا کر گلدستے کا انداز ہو جائے۔

اے جادۂ البر رشتہ یک ریشہ دویدن
شیرازۂ صد آبلہ، چوں سبحہ بہم باندھ

اے راستے چلنے والے کے پاؤں میں کئی آبلے ہیں۔ راہ میں پڑے ہوئے کسی تنکے کو ان آبلوں کے بیچ اس طرح گزار کر تمام آبلوں کی شیرازہ بندی ہو جائے بالکل اسی طرح جیسے تسبیح کے متعدد دانوں کو ایک رشتہ منسلک کرتا ہے۔ آبلے میں خس و خار کا گزرنا ایذادہ ہوگا اور شاعر ایذا طلب ہے

حیرت، حدِ اقلیمِ تمنائے پری ہے
آئینے پہ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

پری یعنی کسی حسینہ کی تمنا کو اقلیم سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تمنا بہت زیادہ ہو جائے تو حیرت میں تبدیل ہو جائے گی۔ حیرت کا مقام آئینہ ہے۔ ارم شداد کی بنائی ہوئی بہشت ارضی کو کہتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ مفید معنی قصۂ گل بکاؤلی کی تلمیح ہے جس میں بکاولی کے ملک کا نام گلستانِ ارم تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں نہال چند لاہوری کے مذہبِ عشق کی ترتیب کے بعد یہ قصہ عام طور پر ملنے لگا تھا۔ ظاہرا اس شعر میں گلستانِ ارم سے مراد پرستان ہے۔ آئینے کی آئینہ بندی کر کس آئینہ سے؟ گلستانِ ارم سے۔ اس طرح حیرت اور پری کا دیس یکجا ہو جائیں گے اور پری کے ملنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ حیرت کو تمنا کی انتہا کہنے کا جواز ہے۔ صوفیوں کے طریق میں بھی حیرت کافی آگے کی منزل ہے یعنی شوق بہت بڑھتا ہے تو حیرت میں بدل جاتا ہے۔

پامردیٔ یک اندازِ نہیں قامتِ ہستی
طاقت اگر اعجاز کرے تہمتِ خم باندھ

پامرد : مددگار۔ پامردی : ہمت و شجاعت۔ ہستی بالکل کمزور چیز ہے۔ ہستی کا قد کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتا کوئی شجاعت نہیں دکھا سکتا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اگر تیرے اندر بہت طاقت آئے جیسے معجزہ ہو گیا ہو تو خمِ قامت کا الزام اپنے سر لے یعنی زندگی میں قامت انسان سے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا اگر یہ جھک بھی جائے تو گویا بڑا شہزوری کا کام کیا۔ گویا انسان کی قدرت کی معراج خمِ قامت ہے جو عدمِ طاقت کی نشانی ہے۔ شعر میں زندگی کو بالکل نکما اور کمزور قرار دیا ہے۔

دیباچۂ وحشت ہے، اسدؔ شکوۂ خوباں
خوں کر دلِ اندیشۂ مضمونِ ستم باندھ

اے اسدؔ حسینوں کا شکوہ کرنے سے ان کے ظلم و ستم آنکھوں میں پھر جائیں گے اور اس سے وحشت پیدا ہوگی۔ اس طرح شکوۂ جورِ حسیناں وحشت کی تمہید ہو جائیگا۔ اگر تو ان کے ستم کے مضمون بیان کرتا ہے تو اندیشہ و افکار سے بھرا ہوا دل اور خون ہوگا یعنی ملول دل بالکل زخمی ہو جائیگا جس سے وحشت پیدا ہوگی۔ اگر تو اس کیلئے تیار ہے تو ضرور ان کا شکوہ کر۔ ان کے ستم کا بیان کر۔

(۱۵۱)

خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ
ورنہ ہے چرخ و زمیں، یک ورقِ گردانده

ورق گردانیدن: فعلِ عبث۔ ورقِ گردانده وہ ورق ہوگا جو پلٹا جا چکا ہے اسلئے اب وہ مزید افادیت نہیں رکھتا۔ اہلِ دُنیا نے عبرت کا سبق نہیں پڑھا۔ اس آسمان و زمین کو پہلے زمانے کے لوگوں نے پڑھا اور اس سے کیا حاصل کیا جواب موجودہ نسل حاصل کرے گی۔ زمین و آسمان ردی کاغذ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں
موجِ مے مثلِ خطِ جام ہے برجا ماندہ

برجا ماندہ: ثابت و برقرار۔ خطِ جام: ٹھہرا ہوا اور جامد ہوتا ہے۔ مے خواروں کا بجھا ہوا دل دیکھ کر موجِ مے بھی ایک جگہ ٹھہر گئی ہے۔ موجِ مے کا ٹھہرنا اسی وقت ممکن ہے جب شراب نہ پی جائے۔ بادہ پرستوں کی افسردہ دلی کا مظہر یہی ہے کہ وہ شراب نہیں پیتے۔

خواہشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
ہے سخن، گردِ زداماںِ ضمیر افشاندہ

دل میں کوئی خواہش آتی ہے تو آدمی بولتا ہے گویا سخن دل کے دامن کی جھاڑی ہوئی گرد ہے۔ دل کے اندر خواہش ایک اضطراب پیدا کرتی ہے۔ اس خواہش کو الفاظ میں ظاہر کر دیا جائے تو دل ہلکا اور صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ خواہشات دل کے لئے گرد کی طرح ناپسندیدہ ہیں۔ اُن کا وہاں سے ہٹ جانا دل کی صفائی کا موجب ہوگا۔ سخن سے مراد شعر لیا جائے تو اور

برجستہ ہوگا۔

کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورقِ ناخواندہ

حیرت ہے کہ غالبؔ نے اتنا صاف اچھا شعر انتخاب میں کیوں حذف کر دیا تھا۔ کسی کے دل میں کیا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ اس طرح دُنیا میں ہر شخص کتاب کے ایسے صفحے کی طرح ہے جسے آج تک کسی نے نہ پڑھا ہو کیا نفسیاتی حقیقت بیان کی ہے۔

حیف ہے حاصلِ اہلِ ریا پر غالبؔ
یعنی ہیں ماندہ از آں سو و ازیں سو راندہ

مکر و فریب کرنے سے کچھ بھی نہیں ملتا نہ دولتِ دنیا نہ دولتِ عقبیٰ۔ اہلِ ریا ایسے گروہ کی طرح ہیں جو اس طرف سے نکال دیا گیا ہو اور اُس طرف پہنچنے سے رہ گیا ہو یعنی گھر کا نہ گھاٹ کا۔

(۱۵۲)

لیکہ مے پیتے ہیں اربابِ فنا پوشیدہ
خطِ پیمانۂ مے ہے نفسِ دزدیدہ

اربابِ فنا: سالک جو راہِ فنا پر چلتے ہیں۔ خطِ پیمانہ: جامِ جم کے اندر خطوط تھے اب ہر پیالۂ شراب کے اندر خط فرض کر لئے جاتے ہیں۔ نفس دزدیدن: نفس کو بند کرنا۔ نفسِ دزدیدہ: وہ سانس جو لیا نہ گیا ہو اور یہ فنا کی طرف ایک قدم ہے۔ عارف بھی چھپ کر شراب پیتے ہیں۔ ان کا سانسوں کا بند کرنا خطِ جام ہے۔ ظاہر ہے کہ سانس کو مستقلاً بند کر لینا یعنی فنا ہو جانا ان کی شراب ہوگی۔ نفس کا تصور ایک تار کا سا ہے اس لئے خط سے مشابہت ہوئی۔

بہ غرورِ طرحِ قامت و رعنائیِ سرو
طوق ہے گردنِ قمری میں رگِ بالیدہ

طرح: طرح داری، زیبائی۔ رگِ گردن: نخوت۔ قمری کو سرو کی خوش قامتی اور رعنائی کا غرور ہے۔ غرور سے رگِ گردن اُبھر آتی ہے۔ قمری کی گردن میں جو کالا طوق ہے وہ دراصل اس کی رگِ غرور ہے جو زیادہ بڑھ کر باہر آگئی ہے اور نمایاں ہو گئی ہے

کی ہے وا اہلِ جہاں نے بہ گلستانِ جہاں
چشمِ غفلت بہ نظر شبنم خورنا دیدہ

شبنم کے قطرے آنکھ سے مشابہ ہوتے ہیں۔ جب تک اوس سورج کی دھوپ نہیں دیکھتی

اس وقت تک اپنے انجام سے غافل رہتی ہے۔ دنیا والوں نے بھی دنیا کے باغ کی طرف آنکھ کھولی ہوئی ہے اسے دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں لیکن یہ اوس کی چشمِ غفلت نظر ہے۔ اہلِ جہاں کو اپنے مآل کا خیال نہیں کہ جلد ہی اس باغ سے گذر جانا ہے۔

یاس آئینۂ پیدائی استغنا ہے
نا اُمیدی ہے پرستارِ دلِ رنجیدہ

پرستار: خادم، مجازاً تیمار دار کو بھی کہتے ہیں۔ رنجور بیمار کو کہتے ہیں رنجیدہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ کسی مقصد کے حصول سے یاس ہو تو بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے۔ نا اُمیدی رنجیدہ دل کی غم گساری کرتی ہے۔ غم گساری کا طریقہ ہے خواہش کو ختم کر دینا۔

واسطے فکرِ مضامینِ متیں کے غالب
چاہیئے خاطرِ جمع و دلِ آرامیدہ!

شعر میں سنجیدہ مضامین کی فکر کے لئے دل جمعی اور آرام و سکون کی ضرورت ہے۔ مجھے یہ میسر نہیں اگر میرے کلام میں مضامینِ بلند کی کمی دکھائی دے تو شکوہ نہ کر۔

(۱۵۳)

جوشِ دل ہے مجھ سے حسنِ فطرتِ بیدل نہ پوچھ
قطرے سے میخانۂ دریائے بے ساحل نہ پوچھ

اس شعر میں بیدل سے مراد بے دل عاشق بھی ہو سکتا ہے اور شاعر بے دل بھی۔ دونوں طرح معنی دیکھئے (۱) اس وقت میرے دل میں جذبات کی شدت کی وجہ سے جوش ہے عاشق کی فطرت کی خوبی مجھ سے نہ پوچھ وہ ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہ ہو اور میں محض ایک قطرہ ہوں۔ اس کی فطرت کی خوبیاں کیوں کر اور کہاں تک بیان کروں۔

(۲) میرے دل میں عقیدت کا جوش ہے۔ مجھ سے بیدل شاعر کی فطرت کی خوبیاں نہ پوچھ وہ ایک دریائے بے ساحل ہے اور میں محض ایک قطرہ۔ میرا کیا منہ کہ میں اس کی خوبیاں بیان کر سکوں۔

میری رائے میں یہ شعر عاشق کی توصیف میں ہے بیدل شاعر کی نہیں۔ بیدل کے فکر کی تعریف کی جا سکتی تھی۔ حسنِ فطرت کی تعریف کیوں کرتے۔

پہن گشتہائے دل، بزمِ نشاطِ گردباد
لذتِ عرضِ کشادِ عقدۂ مشکل نہ پوچھ

پہن: فراخ و کشادہ۔ دل میں کچھ مشکلات کے عقدے ہیں۔ میں انہیں حل کرتا ہوں تو دل فراخ و کشادہ ہوتا ہے اسی طرح جیسے بگولا فراخ و کشادہ ہوتا ہے اور ایک بزمِ نشاط کی طرح پُر جوش و متحرک ہوتا ہے۔ چونکہ گردباد میں خاک، پریشانی اور حدت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے اسے بزمِ نشاط قرار دینا شاعر کی بد قسمتی پر وال ہے۔ ظاہر ہے کہ کشادِ عقدۂ دل کے بعد گرد باد کی سی کیفیت ہی ہوگی یعنی انتشار و پریشانی۔ اسے شاعر نے طنزاً لذت کہا ہے۔

آبلہ پیمانۂ اندازۂ تشویش تھا
اے دماغِ نارسا خم خانۂ منزل نہ پوچھ

شعر میں پیمانہ اور نارسا پر ایہام ہے۔ دماغِ رسیدہ سرخوش دماغ کو کہتے ہیں۔ نارسا اس دماغ کو کہیں گے جو سرور سے بیگانہ ہو اس طرح شعر کے قرینے سے پیمانہ کے معنی جامِ شراب اور نارسا کے معنی غیر مسرور ظاہر ہوتے ہیں لیکن در اصل پیمانے کے معنی ناپنے کا پیمانہ لئے گئے ہیں اور نارسا کے معنی وہ جو منزل تک رسائی نہ کر سکا ہو۔ خوبی یہ ہے کہ نارسا کے دوسرے معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ پاؤں میں آبلہ اس بات کا پیمانہ ہے کہ مسافر کو منزل پر پہنچنے کی کتنی جلدی، شوق اور تشویش ہے۔ اے وہ شخص جو منزل تک پہنچا ہی نہیں منزل پر پہنچنے کی لذت اور سرور کی فراوانی نہ پوچھ۔ یا اے وہ دماغ جو رسائی منزل کے نشے سے شگفتہ نہیں اس نشے کی کیفیت نہ پوچھ "نہ پوچھ" مقدار کی کثرت ظاہر کرتا ہے۔

نے صبا بالِ پری نے شعلہ سامانِ جنون
شمع سے جز عرضِ افسونِ گدازِ دل نہ پوچھ

عاشقی کیلئے صرف دل جلانا کافی نہیں جنون بھی ایک ضروری شرط ہے۔ شمع صرف دل جلانے کا منتر جانتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ شعلہ جنون پیدا نہیں کرتا۔ ہوا جو جل کر شمع کی لپٹ کو توانا اور بالیدہ رکھتی ہے پری کا بازو نہیں ہے کہ جنون پیدا کرے۔ پری کے سائے سے جنون ہوتا ہے۔ ہوا کے سائے سے نہیں۔ اس لئے شمع کے پاس جنون کا کوئی سامان نہیں اور وہ ہم سے فرو تر رہ جاتی ہے۔

یک مژہ برہم زدن حشرِ دو عالم فتنہ ہے
یاں سراغِ عافیت جز دیدۂ بسمل نہ پوچھ

مژہ برہم زدن: پلک ملانا یا جھپکانا۔ حشر: اُٹھنا۔ اس دنیا میں ہر کام سے فتنہ برپا ہوتا

ہے۔ ایک پلک جھپکاؤ اور دُنیا بھر کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہاں امن و عافیت تلاش کرو تو ندبوح کی آنکھ کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ بسمل ہو جانے کے بعد آنکھ جھپکانا ممکن نہیں اس لئے دیدۂ بسمل کمال بے عملی کی نشانی ہے۔ اس کی آنکھ میں عافیت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ سارے جھگڑے تو جان کے ساتھ ہیں۔ گویا دُنیا میں چین چاہو تو مرنے کے بعد ہی مل سکتا ہے۔

بزم ہے یک پنبۂ مینا گدازِ ربط سے
عیش کر غافل، حجابِ نشۂ محفل نہ پوچھ

پنبۂ مینا: وہ روئی ہے جو شراب کی صراحی میں ڈاٹ کی جگہ لگی ہوئی ہو۔ شراب کے تعلق سے اس میں بھی کچھ اثرِ مے آجائے گا۔ محفل میں محبوب ہے اور عشاق ہیں۔ محبوب کے نزدیک ہونے کی وجہ سے سب اسی طرح نشے میں ہیں جیسے شراب کے قرب سے مینا کی روئی بھیگی ہو۔ گدازِ ربط: نزدیکی کی وجہ سے دلوں کا پگھلا ہونا۔ اسے غافل عیش کر، نشۂ محفل کا حجاب نہ ڈھونڈھ کیونکہ وہ ہے ہی نہیں۔ یعنی نشے کی مانع کوئی بات نہیں۔

سرخوش نے اس شعر کے جو معنی لکھے ہیں وہ میرے الفاظ میں یوں ہیں:۔

گدازِ ربط: تعلقاتِ دوستی کا پگھل کر معدوم ہو جانا۔ بزم میں مروّت اور دوستی کے روابط ختم ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے بزم کی کیفیت ہے جیسے صراحی کے منہ میں روئی دبی ہوئی ہو یعنی اہتمامِ عیش نہ ہو۔ اسے غافل اس صورت میں اگر تو عیش کرتا ہے تو تنہا عیش کر اور دوسروں کے فقدانِ نشہ کی وجوہ کی طرف توجہ نہ کر۔

تا تخلص جامۂ شنگرفی ارزانی، اسدؔ
شاعری جز سازِ درویشی نہیں حاصل نہ پوچھ

جامۂ شنگرفی: سُرخ رنگ کا لباس جو درویشی کا نشان ہے۔ ہندو سادھو گیروا لباس پہنتے ہیں۔ کاتب کسی کے دیوان کی کتابت کرتے ہیں تو کلام سیاہ روشنائی سے لکھتے ہیں اور تخلص کو نمایاں کرنے کیلئے شنگرفی روشنائی سے۔ اسدؔ شاعری فقیری کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے کوئی مالی منفعت نہیں ہوتی۔ حد یہ ہے کہ تخلص کو بھی شنگرفی جامہ پہننا پڑتا ہے۔ ارزانی ہونا: آسانی سے مہیا ہونا۔

---

(۱۵۴)

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و اُمید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب، دل نہ سمجھ بلا سمجھ

بیم: مقصد میں ناکامی کا خوف ہے۔ اُمید کامرانی کی توقع ہے۔ آخر میں بیم و اُمید، ناکامی یا کامرانی میں سے کسی ایک میں بدل جاتی ہیں۔ ناکامی پر خدا سے شکوہ کیا جاتا ہے۔ کامرانی پر شکر اس طرح شکوہ و شکر بہ یک واسطہ بیم و اُمید کے ثمر ہیں۔ خانۂ آگہی خراب کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) اے وہ شخص جس کا خانۂ آگہی خراب ہے یعنی جو ناواقف اور ناسمجھ ہے۔
(۲) کاش آگہی کا خانہ خراب ہو یعنی علم ایک مصیبت ہے۔ مختلف چیزوں اور لذتوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے تبھی ان کے حصول کی کوشش میں دل مبتلا ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں مخاطب کو خانۂ آگہی خراب کہہ کر پکارا ہے کیونکہ یہ بیم و اُمید کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔

ریگِ رواں و ہر تپش درسِ تسلّیِ شعاع
آئینہ توڑ، اے خیال، جلوے کو خوں بہا سمجھ

اس شعر کے معنی "حقیقت" ہی میں نکل سکتے ہیں۔ ریگِ رواں اور تپش سلوک کے راستے کی تکالیف ہیں۔ یہ آزمائشیں وہ درسِ تسلّی ہیں جو شعاعِ جلوۂ محبوب، سالک کو دے رہا ہے۔ تسلّی گاہ کے معنی تجلّی گاہ کے ہوتے ہیں اس لئے درسِ تسلّیِ شعاع، تجلّیِ شعاع کے ذریعہ آسکتا ہے۔ صحرائے طریقت کی گرم اُڑتی ہوئی ریت اور دل کی تڑپ جلوۂ محبوب کے قرب کی نشانیاں ہیں۔ آئینہ سے مُراد احساسِ ذات یا خودی ہے۔ اے خیال۔ احساسِ ذات کو فنا کر دے اور اس کے بعد جلوۂ محبوب دکھائی دے گا جو فنائے خودی کا خوں بہا ہوگا۔

وحشتِ دادِ بیکسی، بے اثر اس قدر نہیں
رشتۂ عمرِ خضر کو نالۂ نارسا سمجھ

بے کسی کا درد بے اثر نہیں۔ آخر کار موت آکر درماں کر دیتی ہے۔ خضر بھی بے کس و تنہا ہے اس کی عمر لا متناہی ہے اس لئے اس کا نالہ بے اثر ہے یعنی اسے موت کا سکون نہیں ملتا۔ رشتۂ عمر کی طوالت اور نالے کی نارسائی میں تضاد ہے۔

شوقِ عناں گسل اگر درسِ جنوں ہوس کرے
جادۂ سیرِ دو جہاں یک مژہ خواب پا سمجھ

عناں گسل: لگام توڑ یعنی نہایت تیز رو۔ ہوس کرے: چاہے۔ خوابِ پا: پاؤں کا سونا۔ چونکہ سونے میں پلکیں ملاتی جاتی ہیں اس لئے خواب کے اختصار کو "یک مژہ" کے فقرے سے ظاہر کیا ہے۔ خوابِ پا بھی چونکہ خواب کا لفظ ہے اس لئے اس پر بھی یک مژہ کا اطلاق کر دیا۔ میرا لگام توڑ شوق اگر جنوں کا سبق سیکھنے پر اتر آئے تو دونوں دنیا کی سیر اتنی چھوٹی بات ہے کہ بغیر پاؤں ہلائے حاصل ہو سکتی ہے۔ پاؤں کا سونا اور وہ بھی ایک لمحے کیلئے اس کام کو سر انجام دے سکتا ہے۔ مبالغے کی حد ہے۔

گاہ بہ خلد امیدوار، گہہ بہ جحیم بیم ناک
گرچہ خدا کی یاد ہے، کلفتِ ماسوا کچھ

عبادت میں کبھی جنت کی امید کی جاتی ہے کبھی دوزخ سے ڈرا جاتا ہے۔ اگرچہ عبادت کہنے کو خدا کی یاد ہے لیکن در اصل ماسوائے اللہ (جنت و دوزخ) کی دی ہوئی تکلیف ہے جحیم چھٹے دوزخ کا نام ہے۔

اے بہ سرابِ حسنِ خلق، تشنۂ سعیِ امتحان
شوق کو منفعل نہ کر، ناز کو التجا سمجھ

اے عاشق تجھے گمان ہو گیا ہے کہ محبوب بڑا خوش اخلاق ہو گیا ہے اور تو اس کا امتحان لینے کا پیاسا ہے۔ خدا کیلئے اس سے درگزر تو اپنے شوق کو نادم نہ کر۔ محبوب کے ناز کو نیاز خاکساری اور التجا سمجھ۔ اگر تو نے واقعی امتحان لیا تو معلوم ہوگا کہ وہ اب بھی مزاج کا تیز ہے تیرا جذبۂ عشق خواہ مخواہ شرمندہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ اس گمان کو گمان رہنے دے اور امتحان کی آنچ پر نہ چڑھا۔ سراب اور تشنہ میں رعایت ہے۔

شوخیِ حسن و عشق ہے آئینہ دارِ ہم دگر
خار کو بے نیامِ جان، ہم کو برہنہ پا سمجھ

حسن کی شوخی یہ ہے کہ عاشق پر جفا کی جائے۔ عشق کی شوخی یہ ہے کہ جفا کا شائق ہو اور اس میں لذت محسوس کرے۔ اس طرح دونوں کی شوخی ایک دوسرے سے منسوب ہے۔ اے مخاطب خار کو تیغِ برہنہ جان جس کیلئے ہمیں برہنہ پا یعنی آمادۂ شہادت سمجھ۔ ننگے پاؤں میں کانٹوں کا چبھنا ایسا ہے جیسے محبوب عاشق کو تلوار سے کچوکے دے رہا ہو۔ پاؤں میں کانٹوں کی خلش حسن و عشق کی شوخی کا مظہر ہے۔

نغمۂ بے دلی اسدؔ، سازِ فسانگی نہیں
بسملِ دردِ خفتہ ہوں، گریے کو ماجرا سمجھ

بے دلی کا نغمہ یعنی عشقیہ شاعری محض افسانہ پن کا سامان نہیں۔ میں پوشیدہ درد سے بسمل ہوں۔ اندرونی چوٹ ہے۔ خارجی زخم نہیں۔ میرے نالے کو میری سرگذشت سمجھ۔

(۱۵۸)

کلفتِ ربطِ بے دلاں، غفلتِ مدعا سمجھ
شوق کرے جو سرگراں، محملِ خوابِ پا سمجھ

سرگراں: پریشان۔ خوابِ پا: پاؤں سویا ہوا۔ محملِ خوابِ پا: وہ محمل جس کا پاؤں سویا ہوا ہو یعنی جو آگے نہ بڑھ پائے۔ بے دلوں کی زندگی کا مدعا محبوبِ حقیقی سے ملنا ہے۔ علائق کے وبال میں پڑنا مدعائے حیات سے غفلت ہے۔ شوقِ عشق سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ محبوب کی طرف کو اڑائے لئے چلے گا۔ اگر کسی کا شوق اس فرض سے غافل کر کے پریشان کر دے تو وہ ٹھہرے ہوئے محمل کی طرح ہے جو شیوۂ عشق کے منافی ہے۔

جلوہ نہیں ہے دردِ سر، آئینہ صندلی نہ کر
عکس کجا و کو نظر، نقش کو مدعا سمجھ

شعر کا خطاب آئینے سے ہے کہ انسان سے؟ ہم انسان مان کر تشریح کرتے ہیں۔ آئینہ صندلی کرنا: آئینہ کے چاروں طرف صندلی چوکھٹا لگانا۔ آئینے میں جلوہ نظر آتا ہے تو یہ آئینے کیلئے دردِ سر تو ہے نہیں۔ پھر آئینے کو صندلی کیوں کرتا ہے؟ (درد میں ماتھے پر صندل لگاتے ہیں) آئینے میں عکس کہاں ہے اور نظر کہاں ہے؟ یہ سب فریب ہے ان کے پھیر میں نہ پڑ۔ اپنے نقشِ ہستی کو اصل حقیقت سمجھ۔

اگر آئینہ کو مخاطب مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے آئینہ تجھ میں جو جلوہ نظر آتا ہے کیا یہ تیرے لئے دردِ سر ہے جو تو نے اپنے سر سے صندل لگا رکھا ہے۔ کیا عکس اور کیا مشاہدہ۔ تجھ میں جو نقش دکھائی دے رہا ہے اسی کو اپنی ذات کا مدعا سمجھ۔ شعر کی علامات واضح نہیں ہیں۔

حیرت اگر خرام ہے، کارِ نگہ تمام ہے
گر کفِ دست بام ہے، آئینے کو ہوا سمجھ

کیا غیر متوازن تشبیہیں ہیں۔ ایک شخص ہاتھ میں آئینہ پکڑے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ نگہ آئینے میں خرام کرتے کرتے حیرت کی منزل میں پہنچ گئی۔ جب حیران ہو کر رہ جائے تو نظر بازی کیا ہو گی گویا نگاہ کا کام تو تمام ہو گیا۔ تشبیہ یوں ہے کہ کوئی بام پر ہوا میں ٹہل رہا ہے ہاتھ بام ہے۔ اس میں پکڑا ہوا آئینہ ہوا ہے۔ نگاہ کی حیرت خرام ہے۔

ہے خطِ عجزِ ما و تو، اوّل درسِ آرزو
ہے یہ سیاقِ گفتگو، کچھ نہ سمجھ، فنا سمجھ

سیاقِ گفتگو: عبارت کی روانی۔ محبوبِ حقیقی کی آرزو یعنی عشق کا پہلا آموختہ۔ یہ ہے کہ میں اور تو یعنی سارے انسان بالکل عاجز، خاک نشیں اور خاکسار ہیں۔ ان کی کوئی حیثیت نہیں میرا یہ قول فصیح گفتگو کا ایک طریقہ ہے تو اس سے اور کچھ نہ سمجھ صرف یہ سمجھ کہ اوّل درسِ آرزو فنا ہے یعنی عشق کے راستے میں پہلی منزل ہی میں عجز دکھاتے دکھاتے فنا ہو جانا چاہیے۔

شیشۂ شکستِ اعتبار، رنگ بہ گردش استوار
گر نہیں یہ کوہسار، آپ کو تو صدا سمجھ

شعر کی علامتیں نہایت مبہم ہیں۔ شیشہ سے مراد شیشۂ مے نہیں اور رنگ سے مراد رنگِ محفل نہیں۔ شیشہ جسمِ انسانی ہے اور رنگ رنگِ ہستی ہے انھیں کو کوہسار کہا ہے۔ صدا کوہسار کی آوازِ بازگشت کو کہتے ہیں۔ شکستِ اعتبار: خالق کی ذات میں اعتبار یا عقیدت کی نفی۔ گردش: نیرنگیِ دہر۔ ذاتِ انسانی اس دریائے نور میں عدمِ اعتماد ظاہر کرتی ہے تبھی تو انسان نے اس سے علیحدہ اپنی ذات کا احساس کیا۔ رنگِ ہستی نیرنگیوں اور تغیرات کا نام ہے۔ ان دونوں کے شعور کو ملا دے جب تک یہ پہاڑ (ذات و رنگِ ہستی کا شعور) موجود ہیں۔ تیری ذات ان کی صدائے محض ہے۔ بہتر ہے کہ ہستی اور اس کی نیرنگیوں سے گزر جا۔

سرخوش نے اس شعر کے جو معنی لکھے ہیں وہ اپنے الفاظ میں واضح کر کے لکھتا ہوں شکست کے بعد اضافت نہیں۔ شکست اعتبار: جس کا ٹوٹنا یقینی ہے۔ شیشۂ مے کے لئے شکست کا یقین ہے۔ رنگِ محفل متغیر رہتا ہے۔ یہ گردش یعنی نیرنگی سے استوار رہتا ہے یعنی اس کے لئے گردش اور تغیر ہی استقلال ہے۔ گویا سارے سامانِ عیش، شیشۂ رنگِ محفل غیر مستقل، تغیر پذیر بلکہ فنا پذیر ہیں۔ ان کا کوئی بھروسہ نہیں اور اگر بالفرضِ محال یہ پہاڑ کی طرح قائم رہیں تو خود کو صدا کی طرح عارضی سمجھ کہ تیری زندگی تو عارضی ہے۔ پھر

کا ہے کے لئے عیش کوشی؟

نغمہ ہے محوِ ساز رہ، نشہ ہے بے نیاز رہ
رندِ تمام ناز رہ، خلق کو پارسا سمجھ

تجھے نغمہ کی آواز آرہی ہے تو اس میں کھویا رہ۔ ساز میں توجہ کو مرکوز رکھ۔ تجھے شراب کا نشہ ہے مست رہ۔ دوسروں کی پروا نہ کر۔ ان کی طرف سے بے نیاز رہ۔ تو ایسا بن کہ دنیا سے ناز برتتا ہو۔ اہلِ دنیا کو نغمہ و نشہ سے بے بہرہ اور کور ذوق یعنی پارسا سمجھ اس لئے ان سے رکھ رکھاؤ کے ساتھ برتاؤ کر۔

چربیِ پہلوئے خیال، رزقِ دو عالم احتمال
کل ہے جو وعدۂ وصال آج بھی اسے غذا سمجھ

چربیِ پہلوئے خیال: خیال کے پہلو کی چربی یعنی خود تصور۔ تصورِ وصلِ موعود کا ہے رزقِ دو عالم احتمال: وہ غذا جس کے ہاتھ آنے میں دنیا بھر کے شبہات ہوں۔ اے خدا تو نے وعدہ کیا ہے کہ کل ہمیں وصل نصیب ہوگا۔ کسی کا پیٹ بھرنے کو محض خیالی باتیں کافی نہیں تصور کی باتیں ایسی غذا ہیں جن کے ملنے کا پورا یقین نہیں۔ آج بھی تو رزق کی ضرورت ہے آج ہی وصال کی غذا کیوں نہ مل جائے۔ خدا سے وصال موت ہے۔ شاعر کل کی بجائے آج ہی موت چاہتا ہے۔

نے سرو برگِ آرزو، نے رہ و رسمِ گفتگو
اے دل و جانِ خلق، تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

اے دوست نہ تو ہمارے پاس تیری آرزو کا سامان ہے نہ تجھ سے گفتگو کی راہ و رسم ہے تو دنیا بھر کا محبوب ہے۔ ہمیں بھی اپنا واقف سمجھ لے تو ہم پر احسان ہوگا۔ آخر ہم تجھ سے کبھی مل کر بات چیت تو کر نہیں سکتے۔ شعر میں حسرت بھری ہوئی ہے۔

لغزشِ پا کو ہے بلد، نغمۂ "یا علی مدد"
ٹوٹے گر آئینہ اسدؔ سبحہ کو خوں بہا سمجھ

بلد: رہبر۔ آئینہ۔ احساسِ خودی۔ سبحہ: وہ تسبیح جس پر "یا علی مدد" کا وظیفہ پڑھا جائے۔ لغزشِ پا سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ "یا علی مدد" کا ورد کرتے رہو۔ اگر احساسِ خودی ٹوٹ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں "یا علی مدد" کا وظیفہ ہاتھ آجائے گا جو فنائے ذات کی تلافی کر دے گا۔